تدبّرِ قرآن

۵

المآئدة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود

یہ سورہ، جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں واضح ہو چکا ہے، پہلے گروپ کی آخری سورہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے، آخری امت کی حیثیت سے، اپنی آخری اور کامل شریعت پر پوری پابندی کے ساتھ قائم رہنے اور اس کو قائم کرنے کا عہد و پیمان لیا ہے۔ اس سے پہلے یہ عہد و پیمان اہل کتاب سے لیا گیا تھا لیکن وہ جیسا کہ پچھلی سورتوں سے واضح ہوا، اس کے اہل ثابت نہ ہوئے اس وجہ سے معزول کیے گئے اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دی اور اس کو اپنی آخری اور مکمل شریعت کا حامل اور امین بنایا۔ اب اس سورہ (مائدہ) میں عہد و پیمان لیا جا رہا ہے کہ تم پچھلی امتوں کی طرح خدا کی شریعت کے معاملے میں خائن اور غدار نہ بن جانا بلکہ پوری وفاداری اور کامل استواری کے ساتھ اس عہد کو نباہنا، اس پر خود بھی قائم رہنا، دوسروں کو بھی قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور اس راہ میں پوری عزیمت و پامردی کے ساتھ تمام آزمائشوں اور تمام خطرات کا مقابلہ کرنا۔

ب۔ سورہ کے مطالب کی نوعیت

سورہ کے موضوع کے تقاضے سے اس میں جو مطالب بیان ہوئے ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی چند باتیں بالکل نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ اس میں جو احکام و قوانین بیان ہوئے ہیں وہ دعوتِ اسلامی کے اس دور سے تعلق رکھنے والے ہیں جب تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمتِ الٰہی کا مرحلہ سامنے آ چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ عہد و پیمان لینے کے لیے سب سے زیادہ موزوں احکام یہی ہو سکتے تھے۔ ان پر عہد و پیمان لینے کے معنی یہ ہیں گویا پوری شریعت پر عہد و پیمان ہو گیا۔

دوسری یہ کہ ان احکام میں امتحان و ابتلا کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ پچھلی امتوں کو اس طرح کے جو احکام دیے گئے تھے ان میں انھوں نے ٹھوکریں کھائیں جن کے نتیجے میں وہ خدا کی معتوب و مغضوب ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ فضل فرمایا کہ عہد و پیمان لیتے وقت ایسے احکام خاص طور پر سامنے کر دیے تاکہ یہ امت پاؤں پھسلنے کے ان مقامات سے اچھی طرح ہوشیار رہے۔ ظاہر ہے کہ جو خطرے کی جگہوں پر اپنے کو سنبھال سکے گا اس سے توقع یہی ہے کہ وہ ہموار جگہوں میں ٹھوکر نہیں کھائے گا۔

تیسری یہ کہ اس میں تفصیل کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے نقضِ عہد کی تاریخ بھی بیان ہوئی ہے اور اس کے

اسباب و محرکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ یہ تاریخ اس امت کے لیے سبق آموزی اور عبرت پذیری کا ذریعہ بن سکے
چوتھی یہ کہ اس میں انفرادی و اجتماعی زندگی کے ان مخفی گوشوں کی خاص طور پر نشان دہی کی گئی ہے جہاں سے شیطان اور اس کے ایجنٹوں کو در آنے کا موقع ملتا ہے اور پھر وہ فتنے سر اٹھاتے ہیں جو روکے نہ جائیں تو پوری شریعت تاراج ہو کے رہ جاتی ہے۔

پانچویں یہ کہ اس میں وہ اصول و ضوابط پوری طرح واضح کر دیے گئے ہیں جن کا اہتمام عہد الٰہی پر قائم و استوار رہنے کے لیے ضروری ہے۔

یہ پانچ باتیں سامنے رکھ کر جو طالب حق تدبر کے ساتھ اس سورہ کی تلاوت کرے گا وہ اس کے موضوع اور اس کے نظام کے سمجھنے میں ان شاء اللہ کوئی الجھن نہیں محسوس کرے گا۔ اگرچہ سورہ کے نظام کو سمجھنے کے لیے یہ اشارات بھی کافی ہیں، تاہم پوری سورہ کے مضامین کا تجزیہ بھی ہم کیے دیتے ہیں تاکہ تمام مطالب بیک نظر سامنے آجائیں۔

ج۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۵) اللہ سے باندھے ہوئے ہر عہد کو پورا کرنے کی تاکید۔ اشہر حرم اور تمام شعائر الٰہی کی نگہداشت کی ہدایت۔ یہاں تک کہ حالت احرام میں شکار بھی ناجائز ہے اور دوسروں کی انگیخت بھی اس بات کے لیے عذر نہیں ہو سکتی کہ شعائر الٰہی کی حرمت کو کوئی بٹہ لگے۔ تعاون نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ہونا چاہیے، نہ کہ گناہ اور حدود الٰہی سے تجاوز کے کاموں میں۔

اس امت کے لیے کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل و تکمیل اور یہ ہدایت کہ اب تمھیں کسی کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تمھارے مخالفین نہ یہ توقع رکھتے کہ ان کے دین اور تمھارے دین میں کوئی مفاہمت ہو سکے گی اور نہ یہ امید وہ کرتے کہ وہ اس دین کو شکست دے سکیں گے۔ اب تمھارا دین کامل ہو گیا اور تم پر اللہ نے اپنی شریعت کی نعمت تمام کر دی۔ اب تم بس اسی کی پیروی کرو اور دوسروں سے بے پروا ہو جاؤ۔

تربیت کردہ شکاری جانوروں کے شکار، اہل کتاب کے کھانے اور کتابیہ سے نکاح کے بارے میں حکم اور یہ تنبیہ کہ جو ایمان کے ساتھ کفر کو جمع کریں گے ان کے سارے عمل اکارت جائیں گے۔

(۶-۷) نماز کے لیے وضو کا حکم اور عذر و مجبوری کی حالت میں تیمم کی اجازت اور تنبیہ کہ اس حکم اور اس رخصت سے اللہ نے تمھیں پاکیزہ بنانا اور تم پر اپنی شریعت کی نعمت کو کامل کرنا چاہا ہے تو اللہ کے شکرگزار رہنا، اس کے اس انعام کو یاد رکھنا، اور سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کا اقرار کر کے اپنے رب سے جو عہد تم نے باندھا ہے اس پر مضبوطی سے جمے رہنا۔

(۸-۱۱) مسلمانوں کو مخالفوں اور دشمنوں کی شر انگیزیوں کے باوجود حق و عدل پر قائم رہنے کی ہدایت۔ اللہ کا وعدۂ مغفرت انہی کے لیے ہے جو ایمان و عمل صالح پر قائم رہیں گے۔ مسلمانوں کو یہ یاددہانی کہ دشمن کے ایک گروہ نے تم کو زک پہنچانی چاہی تو خدا نے اس کو بے بس کر دیا تو اللہ ہی سے ڈرو اور اسی پر بھروسہ کرو۔

(۱۲-۱۳) بنی اسرائیل سے میثاق کا حوالہ کہ اللہ نے ان سے عہد لیا کہ اگر وہ اللہ کی شریعت پر قائم رہیں گے تو اللہ ان کے ساتھ ہوگا اور اگر وہ اس عہد کو توڑ دیں گے تو گمراہ اور خدا کی معیت سے محروم ہو جائیں گے لیکن انھوں نے اس عہد کو توڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان پر لعنت کر دی۔

(۱۴) نصاریٰ کے میثاق کا حوالہ کہ خدا نے ان سے بھی میثاق لیا لیکن وہ اس کا ایک حصہ بھلا بیٹھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اندر قیامت تک کے لیے عناد و اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ آخرت میں بھی اس کی سزا بھگتیں گے۔

(۱۵-۱۶) اہل کتاب کو دعوت کہ اللہ نے اپنے آخری پیغمبر اور قرآن کے ذریعہ سے جو روشنی تمہیں دکھائی ہے اس کی قدر کرو اور اندھیرے میں بھٹکنے کے بجائے سلامتی کی راہ اور صراط مستقیم کی طرف آؤ۔

(۱۷-۱۹) نصاریٰ کو ملامت کہ انھوں نے مسیح کو خدا بنا لیا اور یہود و نصاریٰ دونوں کے اس زعم کی تردید کہ وہ خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں، نیز تنبیہ کہ خدا نے اپنا رسول بھیج کر ان پر حجت تمام کر دی ہے۔ اب ذمہ داری تمام تر ان کی ہے۔

(۲۰-۲۶) بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے اس واقعہ کی یاددہانی کہ خدا نے ان کو اپنے عظیم فضل سے نوازا، ان کو فتح و نصرت کے وعدے کے ساتھ ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا لیکن انھوں نے بزدلی دکھائی اور اپنے اندر کے دو اولوالعزم آدمیوں کی ہمت افزائی کے باوجود اپنے پیغمبر کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا جس کی سزا ان کو یہ ملی کہ چالیس سال تک صحرا ہی میں بھٹکتے رہ گئے اور ان کو ارض مقدس میں داخل ہونے کی سعادت نہ حاصل ہوئی۔

(۲۷-۳۱) آدم کے دو بیٹوں کا قصہ جس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ایک خدا ترس انسان کس طرح دشمن کی انگیخت کے باوجود خدا کے عہد پر قائم رہتا ہے اور ایک شریر انسان کس طرح فاسد جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے بھائی کو قتل کر دیتا اور پھر اعتراف گناہ کے بجائے اس کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

(۳۲) اس امر کا بیان کہ نفس انسانی کی مذکورہ بالا خرابی کے سدباب کے لیے اللہ نے بنی اسرائیل کے لیے یہ قانون بنایا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا ہے یعنی قتل جماعتی جرم اور حفاظت جان جماعتی ذمہ داری ہے لیکن بنی اسرائیل نے اس قانون کا احترام نہیں کیا بلکہ اپنے رسولوں کی کھلی ہوئی ہدایات و تنبیہات کے باوجود خدا کی زمین میں فساد مچاتے رہے۔

(۳۳-۳۴) ان لوگوں کی سزا کا بیان جو جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ خدا کا قانون توڑنے اور ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں۔

(۳۵-۴۰) مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کہ حدود الٰہی پر قائم رہو، پابندی شریعت کو حصول قرب الٰہی کا وسیلہ بناؤ اور اس شریعت کے قیام کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہو۔ خدا کے عذاب سے یہی چیز نجات دینے والی ہے۔ اس کے

سوا کوئی چیز بھی نفع پہنچانے والی ثابت نہیں ہوگی۔

(۳۸-۴۰) چوری کی سزا قطع ید ہے۔ اس کی بے رو رعایت تنفیذ کی تاکید اور یہ تنبیہ کہ خدا کے قانون سے بھاگنے والوں کو آخرت میں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

(۴۱-۵۰) منافقین اور یہود کی ان چالوں اور شرارتوں کا بیان جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے گریز کے لیے کر رہے تھے۔ ان محرکات کی پردہ دری جو ان شرارتوں کے پیچھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ آپ ان لوگوں کی شرارتوں سے آزردہ نہ ہوں اور یہ خواہ کچھ کریں، آپ جب بھی ان کے معاملے کا فیصلہ کریں ٹھیک قانونِ عدل کے مطابق کریں۔ یہود کو ملامت کہ یہ ان کی کیسی بدبختی ہے کہ جس کتاب کے وہ شاہد اور امین بنائے گئے اس کے واضح احکام کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے کرانے سے گریز اختیار کر رہے ہیں۔

(۴۶-۴۷) نصاریٰ کو تنبیہ کہ انھیں بھی یہ حکم ہوا تھا کہ وہ تمام معاملات کے فیصلے انجیل کے مطابق کریں اور جو اس کی خلاف ورزی کریں گے وہ نافرمان اور عہد شکن قرار پائیں گے۔

(۴۸-۵۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کہ قرآن تمام اختلافات کے درمیان قولِ فیصل بن کر نازل ہوا ہے۔ اب یہی تمام پچھلے صحیفوں کے لیے کسوٹی ہے۔ اہل کتاب کی بدعات کی کوئی پروا نہ کرو۔ ہر معاملے کا فیصلہ اسی کی روشنی میں کرو۔ اگر یہ اہل کتاب اپنی بدعات چھوڑنا نہیں چاہتے تو تم ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ ان کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ ہوشیار رہو کہ یہ تمھیں اپنی بدعات و خواہشات کی طرف موڑنے نہ پائیں۔

(۵۱-۵۶) مسلمانوں کو تنبیہ کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ جو ان کو اپنا دوست بنائے گا اس کا شمار انھی میں ہوگا۔ منافقین کے اس راز کا اظہار کہ یہ ڈرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ سے کھلم کھلا بگاڑ کر لیا اور کل کو پلہ انھی کا بھاری رہا تو کیا ہوگا حالانکہ انھیں یہ سوچنا چاہیے کہ اسلام کی فتح کے بعد اگر ان کا سارا پول کھول دیا گیا تب کیا ہوگا۔ منافقین کو دھمکی کہ یہ مرتد ہونا چاہتے ہیں تو ہو جائیں، خدا کو کوئی پروا نہیں، خدا اسلام کی حمایت کے لیے ایسے لوگوں کو کھڑا کرے گا جن سے خدا محبت کرے گا اور جو خدا سے محبت کریں گے۔

(۵۷-۶۶) منافقین کی بے حمیتی پر ملامت کہ اُن یہود کو یہ اپنا دوست بناتے ہیں جو اپنی مجلسوں میں اسلام اور اس کے شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہود کو سرزنش کہ انھیں آخرت میں پتہ چلے گا کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بدانجام کون ہے۔ یہود کی دھوکہ بازی اور ان کے علماء کی بے حسی و بے غیرتی کی طرف اشارہ۔ یہود کا طنز اللہ تعالیٰ پر اور اس کا جواب۔ یہ اشارہ کہ حسد کے جوش میں یہود برابر جنگ کی آگ بھڑکاتے رہیں گے لیکن خدا ان کی کسی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ اہل کتاب کو ملامت کہ ان کی شامت ہی ہے کہ انھوں نے اسلام کو اپنے لیے خطرہ سمجھا۔ اگر وہ اس کو قبول کرتے تو درحقیقت تورات و انجیل کو قائم کرتے اور ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابیوں کے دروازے کھل جاتے لیکن ان میں عدل پسند تھوڑے نکلے، اکثریت بروں ہی کی ہے۔

(۶۷-۷۱) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ تم بالکل نڈر ہو کر ان اہل کتاب کو حق پہنچا دو کہ جب تک تم

تورات، وانجیل اور اس قرآن کو قائم نہ کرو تمھاری کوئی حیثیت نہیں۔ خدا سے نسبت صرف ان کو حاصل ہوگی جو ایمان و عمل سے نسبت پیدا کریں گے۔ یہود کی تاریخ کا حوالہ کہ ان سے میثاق لینے کے بعد اللہ نے اس میثاق کی تجدید کے لیے برابر رسول بھیجے لیکن انھوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔ رسولوں کے ایک گروہ کی انھوں نے تکذیب کر دی اور بعض کو قتل کر دیا۔ انھوں نے خدا کی ڈھیل سے یہ گمان کر لیا کہ اب کوئی پکڑ نہیں ہوگی اور وہ برابر اندھے بہرے بنے رہے۔

(۷۲-۷۷) نصاریٰ کے کفر کا بیان کہ انھوں نے مسیح کی تعلیمات کے بالکل خلاف حلول اور تثلیث کے عقیدے ایجاد کر لیے۔ حضرت مسیح اور اُن کی والدہ کے اصل مرتبہ کی وضاحت اور نصاریٰ کو یہ تنبیہ کہ ایک گمراہ قوم کی ایجاد کردہ بدعات کی تقلید میں انھوں نے اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کیا۔

(۷۸-۸۶) بنی اسرائیل پر حضرت داؤدؑ اور حضرت مسیح کی لعنت کا حوالہ۔ کفر دوستی اور اسلام دشمنی کے جوش میں مشرکین مکہ تک سے ان کی دوستی کی طرف اشارہ۔ اسلام دشمنی میں یہود، مشرکین، قریش اور نصاریٰ کے مزاج کا فرق۔ حق پرست نصاریٰ کی حق پرستی اور اسلام دوستی کی تحسین۔

(۸۷-۱۰۵) سورہ کے شروع میں بیان کردہ احکام حلت و حرمت، کے بعض پہلوؤں کی وضاحت اور ان سے متعلق سوالوں کے جواب۔ خدا کی مباح کردہ چیزوں کو اپنے جی سے حرام ٹھہرانے کی ممانعت۔ احترام عہد و پیمان کے پہلو سے قسم کے معاملے میں احتیاط کی تاکید اور ارادی قسموں کا کفارہ۔ شراب، جوا، اور انصاب و ازلام کی قطعی حرمت کا اعلان۔ شراب اور جوئے کے شرعی اور معاشرتی مفاسد۔ جو لوگ درجہ بدرجہ تحریم و تحلیل کے معاملے میں خدا کے احکام کا احترام کرتے آئے ہیں ان کی پچھلی غلطیوں پر کوئی گرفت نہیں۔ حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت ایک سخت آزمائش ہے اس وجہ سے اس معاملے میں بیدار رہنے کی ہدایت اور اگر غلطی ہو جائے تو اس کے کفارے کی صورت، نیز اس ممانعت میں جس حد تک رخصت ہے اس کا بیان۔ خانہ کعبہ اور اس سے متعلق تمام شعائر کے برابر احترام کرتے رہنے کی تاکید اور یہ تنبیہ کہ رسول کا کام اللہ کی ہدایات کا پہنچا دینا تھا، اس نے پہنچا دیں اب ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے۔ برائی کی کثرت برائی کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی اس وجہ سے دانشمندی اور فلاح کی راہ یہی ہے کہ برائی سے بچا جائے۔ غیر ضروری سوالات کرنے کی ممانعت، اس سے یہود کو جو نقصانات پہنچے ان کی طرف اشارہ۔ تحریم و تحلیل سے متعلق قریش کی بعض بدعات کا حوالہ اور ان کی اندھی تقلید آبا پر سرزنش۔ مسلمانوں کو ہدایت کہ جو نہیں سنتے ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔

(۱۰۶-۱۰۸) شہادتِ حق اور عہد و قسم کے تحفظ کے پہلو سے حالتِ سفر کی وصیت اور اس سے متعلق گواہی کا ضابطہ اور اگر اس کے بارے میں کوئی اشتباہ پیش آجائے تو اس کے تدارک کا طریقہ۔

(۱۰۹-۱۲۰) خاتمۂ سورہ —— قیامت کے دن انبیاء اپنی اپنی اُمتوں کے باب میں شہادت دیں گے کہ انھوں نے اللہ کی طرف سے لوگوں کو کیا بتایا اور سکھایا اور لوگوں سے کن باتوں کے کرنے اور کن باتوں کے نہ کرنے کا عہد و اقرار لیا تاکہ ہر اُمت پر حجت قائم ہو سکے کہ جس نے بھی کوئی بدعہدی کی ہے اس کی ذمہ داری تمام تر اسی

پر ہے، اللہ کے رسول اس سے بری ہیں۔ اس شہادت کی نوعیت واضح کرنے کے لیے بطور مثال حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کا تفصیلی تذکرہ تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اللہ نے اپنے نبیوں اور رسولوں پر جس شہادتِ حق کی ذمہ داری ڈالی ہے وہ اس کے بارے میں عنداللہ مسئول ہوں گے اور ان کے واسطہ سے اُمتوں نے جس قیام بالقسط اور شہادتِ حق کا عہد و پیمان خدا سے باندھا ہے وہ اس کے لیے مسئول ہوں گی اور آخرت کی فلاح اور خدا کی خوشنودی ان کو حاصل ہوگی جو اس عہد کا حق ادا کرنے والے ثابت ہوں گے۔

اس فہرستِ مطالب پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی سورہ کے تمام اجزا کا ربط اس کے موضوع سے بالکل واضح نظر آتا ہے۔ اب ہم اللہ کی توفیق اور اس کی رہنمائی کے بھروسے پر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ (٥)

مَدَنِيَّةٌ ———— اٰيَاتُهَا ١٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

المنزل ٢ آيات ١-٥

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۗ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ
وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ
الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا
حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ
التَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ
لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ
وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا
ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ
اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ

د تغفلازم

الربع

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا‌ ؕ فَمَنِ اضۡطُرَّ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ‌ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳﴾ يَسۡـئَلُوۡنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ‌ ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ‌ ۙ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُكَلِّبِيۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ‌ فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ‌ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴﴾ اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ‌ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ لَّـكُمۡ وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ‌ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ‌ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۵﴾ ع

ترجمہ آیات ۱-۵

اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان پورے کرو۔ تمہارے لیے انعام کی قسم کے تمام چوپائے حلال ٹھہرائے گئے بجز ان کے جن کا حکم تم کو پڑھ کر سنایا جا رہا ہے۔ نہ جائز کرتے ہوئے شکار کو حالتِ احرام میں۔ اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔ ۱

اے ایمان والو! شعائر الٰہی کی بے حرمتی نہ کیجیو، نہ محترم مہینوں کی، نہ قربانیوں کی، نہ پٹے بندھے ہوئے نیاز کے جانوروں کی، نہ بیت اللہ کے عازمین کی، جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب بن کر نکلتے ہیں۔ اور جب تم حالت احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کرو۔ اور کسی قوم کی دشمنی، کہ اس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے

تمھیں اس بات پر نہ اُبھارے کہ تم حدود سے تجاوز کرو۔ تم نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو، گناہ اور تعدی میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ سخت پاداش والا ہے۔ ۲

تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا گیا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، جو چوٹ سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو سینگ لگ کر مرا ہو، جس کو کسی درندے نے کھایا ہو بجز اس کے جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعے سے، یہ سب باتیں فسق ہیں۔ اب یہ کافر تمھارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے تو ان سے نہ ڈرو، مجھی سے ڈرو، اب میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا۔ پس جو بھوک میں مضطر ہو کر، بغیر گناہ کی طرف مائل ہوئے، کوئی حرام چیز کھا لے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ۳

وہ پوچھتے ہیں ان کے لیے کیا چیز حلال ٹھہرائی گئی ہے۔ کہو تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں۔ اور شکاری جانوروں میں سے جن کو تم نے سدھایا ہے اس علم میں سے کچھ سکھا کر جو خدا نے تم کو سکھایا تو تم ان کے اس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمھارے لیے روک رکھیں اور ان پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔ ۴

اب تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے

لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور شریف عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور شریف عورتیں ان اہل کتاب میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ ان کو قید نکاح میں لا کر ان کے مہران کو دو، نہ کہ بدکاری کرتے ہوئے اور آشنائی گانٹھتے ہوئے۔ اور جو ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس کا عمل ڈھے جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں ہوگا۔ ۵

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (۱)

لفظ عقد کا مفہوم اور اس کی وسعت

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ: عقد کا لفظ عہد و میثاق کے الفاظ کے مقابل میں عام ہے۔ اس میں قول قرار، قسم اور کسی معاملے میں گواہی کی ذمہ داری سے لے کر اس عہد و میثاق تک، جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا ہے، سب آگیا۔ چنانچہ اس سورہ میں میثاق شریعت کی پوری تاریخ بھی اس کے تمام نتائج و عواقب کے ساتھ بیان ہوئی ہے، قسم اور شہادت کی ذمہ داریاں بھی واضح کی گئی ہیں۔

'انعام' اور 'بہیمۃ' میں فرق

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ: 'انعام' کا لفظ عربی میں بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے بیل کے لیے معروف ہے۔ اس کی تصریح خود قرآن نے سورۂ انعام کی آیات ۱۴۳، ۱۴۴ میں فرما دی ہے۔ 'بہیمۃ' کا لفظ اس سے عام ہے۔ اس میں 'انعام' کی نوع کے دوسرے چوپائے بھی داخل ہیں۔ انعام کی طرف اس کی اضافت سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ اونٹ، گائے، بکری اور اس قبیل کے سارے ہی چوپائے خواہ گھریلو ہوں یا وحشی، تمہارے لیے جائز ٹھہرائے گئے۔ 'جائز ٹھہرائے گئے' سے مطلب یہ ہے کہ وہ پابندیاں جو تم نے اپنے اوہام کی بنا پر عائد کی ہیں وہ بھی ختم اور جو پچھلے صحیفوں کی روایات کی بنا پر تھیں وہ بھی کالعدم۔

اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ: یہ اشارہ ہے آگے آیت ۳ میں بیان کردہ حرمتوں کی طرف۔

حالت احرام میں شکار کی ممانعت اور اس کی اہمیت

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ: یہ ان حرمتوں میں سب سے پہلی حرمت کا ذکر ہے۔ یعنی تمہارے لیے انعام کے قسم کے تمام چوپائے خواہ پالتو ہوں یا وحشی جائز ہیں بایں پابندی کہ حالت احرام میں شکار کو جائز کر لینے والے نہ بن جانا۔ اس کے حالیہ اسلوب بیان اور اس کے سب سے پہلے ذکر کرنے سے اس کی اہمیت

ظاہر ہوتی ہے جس کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے تھوڑی سی تفصیل کی ضرورت ہے۔

ہم اوپر تمہید میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورہ میں جو احکام بیان ہوتے ہیں وہ تکمیلی درجہ کے ہیں اور ان میں امتحان و آزمائش کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ اپنے اسی پہلو سے وہ اس سورہ کے لیے، جو سورۃ المیثاق ہے، موزوں قرار پاتے ہیں۔ ان پر عہد لینے کے معنی ایک طرف تو یہ ہیں کہ پوری شریعت کی پابندی کا عہد لیا گیا، دوسری طرف یہ کہ ان چیزوں پر عہد لیا گیا جو دوسری ملتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہو چکی تھیں۔ چنانچہ یہاں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں ہی پہلو ملحوظ ہیں۔

کھانے پینے کے باب میں یہاں جو حرمتیں اور حلتیں بیان ہوئی ہیں وہ بالکل آخری نوعیت کی ہیں۔ اس سے پہلے اس باب کے بہت سے احکام بقرہ میں گزر چکے ہیں بلکہ بقرہ سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انعام میں بیان ہوئے ہیں جو ایک مکی سورہ ہے۔ صرف کچھ جزئیات و تفصیلات باقی رہ گئی تھیں جو اس سورہ میں بیان ہو گئی ہیں اور ان کے بعد یہ باب گویا بالکل مکمل ہو گیا۔ یہ حقیقت آگے کی آیات سے خود اس قدر واضح ہو جائے گی کہ دلیل کی محتاج نہیں رہے گی۔

ابتلا و امتحان کے زاویہ سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کا معاملہ بالکل اس حکم سے مشابہ ہے جو یہود کو سبت کے احترام سے متعلق دیا گیا تھا۔ ان کو سبت کے دن شکار کی ممانعت تھی لیکن وہ اس عہد کو نباہ نہ سکے بلکہ مختلف حیلے ایجاد کر کے انہوں نے اس کو جائز بنا لیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی۔ سبت کے حکم سے اس کی مشابہت خود قرآن نے اسی سورہ میں آگے آیات ۹۳-۹۶ میں واضح کر دی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو، اپنے رب سے اس کی شریعت کی پابندی کا جو عہد و میثاق تم نے کیا ہے وہ پورا کرنا۔ تمہارے لیے انعام کی قسم کے تمام چوپائے، بجز ان کے جو آگے بیان کیے جا رہے ہیں، اس پابندی کے ساتھ حلال ٹھہرائے گئے کہ احرام کی حالت میں شکار نہ کرنا۔ آخر میں اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ فرما کر اس حکم کے امتحانی پہلو کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ حکم تمہاری وفاداری کی جانچ کے لیے ہے، اس میں مین میکھ نکالنے اور اس سے گریز و فرار کی راہیں نہ ڈھونڈنا۔ خدا جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اور اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت ہی میں اس کے بندوں کے لیے خیر و برکت ہے۔ یہ بات یہاں ملحوظ رہے کہ جو احکام امتحان کے مقصد سے ہوتے ہیں ان میں بندوں کی مصلحت کا پہلو مخفی ہوتا ہے اس وجہ سے جب تک یہ عقیدہ دل میں مضبوط نہ ہو کہ خدا کو حکم دینے کا اختیارِ مطلق حاصل ہے اور اس کا ہر حکم بندوں

۱؎ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳ اور سورۂ انعام آیات ۱۴۲-۱۴۶

ہی کی مصلحت کے لیے ہوتا ہے اس وقت تک سچی وفاداری کے ساتھ ان کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲)

شعائر کا احترام ظاہر و باطن دونوں پہلوؤں سے مطلوب ہے

'لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ' بقرہ آیت ۱۵۸ کے تحت 'شَعَآئِرِ اللّٰهِ' پر تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے۔ شعائر کسی اہم دینی و روحانی حقیقت کے مظہر اور پیکر ہیں۔ ان میں اصل مقصود کی حیثیت تو ان روحانی و معنوی حقائق کی ہے جو ان مظاہر کے اندر مضمر ہیں اس لیے کہ ان حقائق ہی کا احساس دلانے کے لیے ان کو بطور نشان اور علامت کے مقرر کیا گیا ہے لیکن یہ مقرر کردہ خدا کے ہیں اس وجہ سے ان کے ظاہر و باطن دونوں کا یکساں احترام مطلوب ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ان کے احترام کے جو آداب و شرائط مقرر ہیں ان کی خلاف ورزی کرے یا جو چیزیں یا جو باتیں ان کے تعلق سے حرام ہیں ان کو جائز کرے۔ مثلاً چار محترم مہینوں — ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب جو حج و عمرہ کے تعلق سے محترم مہینے قرار دیے گئے ہیں، ان میں لڑائی بھڑائی ممنوع ہے، اگر کوئی گروہ ان میں لڑائی چھیڑ دے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے ان حرام مہینوں کو اپنے لیے جائز کر لیا اور ان کی بے حرمتی کی۔

ہدی اور قلائد کا مفہوم

'ھَدْی' قربانی کے جانوروں کو کہتے ہیں جو بطور ہدیہ خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے بیت اللہ لے جائے جاتے ہیں۔ 'قَلَآئِد' قلادہ کی جمع ہے جس کے معنی پٹے کے ہیں۔ اس میں مضاف محذوف ہے یعنی — ذوات القلائد، یعنی قربانی اور نذر و نیاز کے وہ جانور جن کو تخصیص کے طور پر پٹے باندھ دیے گئے ہیں کہ پہچانے جائیں، کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ ہدی کے بعد قلائد کا ذکر عام کے بعد خاص کے ذکر کی نوعیت رکھتا ہے اور مقصود اس سے تعرض کی سنگینی کو واضح کرنا ہے کہ جن جانوروں کے گلے میں خدا کی تخصیص کے پٹے بندھ گئے ان پر حملہ خاص خدا کے گلے پر حملہ کرنا ہے۔ اسی طرح 'اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ' کے ساتھ 'يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا' کی صفت کا ذکر اس نہی کو مؤثر بنانے کے لیے ہے کہ جو اللہ کے بندے خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں گھر سے نکلے ہوں ان کو نقصان پہنچانے کے درپے ہونا خود خدا سے تعرض کرنے کے مترادف ہے۔

قوم کی دشمنی بھی زیادتی کے لیے دلیل جواز نہیں ہے

'وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ الآیۃ'، 'شَنَاٰن' کے معنی بغض و عداوت کے ہیں اور 'لَا يَجْرِمَنَّكُمْ' کے معنی ہیں، تمہارے لیے سبب و محرک نہ بنے، تمہیں آمادہ نہ کرے۔ 'قوم' سے مراد یہاں قریش ہیں اور 'اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'، اس بغض و عداوت کے سبب کی تفصیل ہے۔ یعنی قریش نے تمہیں بیت اللہ سے روک کر ہر چند تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے لیکن اس چیز کا غم و غصہ

بھی تمھیں اس بات پر نہ اُبھارے کہ تم شعائرِ الٰہی کے معاملے میں حدودِ الٰہی سے تجاوز کرو۔ ان کے عازمینِ حج کے قافلوں کو یا ان کے ہدی و نیاز کے جانوروں کو کوئی گزند نہ پہنچاؤ۔

دوسروں کی انگیخت پر حدودِ الٰہی سے تجاوز تعاون علی الاثم ہے

'وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی' الآیۃ یہ اوپر والی بات ہی کی ایک دوسرے پہلو سے تاکید ہے یعنی جس گروہ کو اللہ نے دنیا میں عامۃ الناس کے بیچ نیکی اور تقویٰ قائم کرنے کے لیے پیدا کیا ہے اس کے لیے پسندیدہ روش یہ نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی زیادتیوں سے مشتعل ہو کر خود اسی طرح کی زیادتیاں کرنے لگے وہ ایسا کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس نے گناہ اور زیادتی کے کام میں تعاون کیا اور شریروں نے برائی کی جو نیو جمائی اس پر اس نے بھی چند ردے رکھ دیے، حالانکہ اس کا کام نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرنا تھا۔[1]

اجزا کو سمجھ لینے کے بعد آیت کے مجموعی نظام پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجیے۔

اوپر والی آیت میں حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت فرمائی تھی کہ یہ چیز احرام کے تقدس اور اس کے درویشانہ مزاج کے خلاف نیز شعائرِ الٰہی میں سے ایک شعیرہ کی توہین ہے۔ اب اسی تعلق سے تمام شعائرِ الٰہی کے احترام کی پہلے بحیثیت مجموعی تاکید فرمائی پھر چند مخصوص شعائر کا حوالہ دیا۔ پھر شکار کی ممانعت سے متعلق یہ واضح فرما دیا کہ اس کا تعلق صرف حالتِ احرام سے ہے۔ احرام سے باہر آجانے کے بعد یہ ممانعت اٹھ جائے گی۔

پھر اس اشتعال انگیز سبب کا ذکر فرمایا جو اس وقت تازہ بتازہ موجود تھا۔ اندیشہ تھا کہ مسلمان اس سے مغلوب ہو کر کوئی ایسی بات کر گزریں جو احترامِ شعائر کے منافی ہو۔ قریش نے ان کو بیت اللہ کے حج و زیارت سے محروم کر رکھا تھا۔ یہ معاملہ نہایت نازک اور صبر آزما تھا اور اب کہ مسلمانوں نے سیاسی قوت حاصل کر لی تھی خاصا اندیشہ اس بات کا تھا کہ اس عہد کے احترام میں ان سے کوئی بے اعتدالی صادر ہو جائے۔ یہ صورتِ حال مقتضی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو مزلۂ قدم سے ہوشیار کر دے کہ دوسروں کی زیادتیاں بھی ان کے لیے کسی زیادتی کا جواز فراہم نہیں کر سکتیں۔ وہ دنیا میں شعائرِ الٰہی کا احترام قائم کرنے اور نیکی اور تقویٰ کے علم بردار بن کر اٹھے ہیں اس وجہ سے جب تک اپنے بچاؤ کی ضرورت مجبور نہ کر دے ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی قدم نیکی اور تقویٰ کے خلاف اٹھائیں۔ اس کے بعد نکتے کی بات یہ ارشاد ہوئی کہ دوسروں کے غلط رویے سے متاثر ہو کر انھی کی سی روش اختیار کر لینا درحقیقت ان کی برپا کی ہوئی بدی میں ان کے ساتھ تعاون کرنا ہے، اور یہ چیز

---

[1] یہ ملحوظ رہے کہ یہاں جس چیز سے روکا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے کے طرزِ عمل سے مشتعل ہو کر کوئی کام جارحانہ طور پر خود مسلمان بھی ایسا کر گزریں جو شعائرِ الٰہی کے احترام کے منافی ہو۔ اگر مسلمانوں کو اپنے تحفظ اور دفاع کے لیے مجبوراً کوئی قدم اٹھانا پڑے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ دفاعی جنگ اشہرِ حرم بلکہ حدودِ حرم میں بھی لڑی جا سکتی ہے۔ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اہلِ ایمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اہلِ ایمان کے شایانِ شان بات یہ ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کریں۔ دشمن کے ہاتھوں بھی کوئی کام نیکی کا ہو رہا ہو تو اس میں مزاحم ہونے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کریں۔ آخر میں شَدِیْدُ الْعِقَابِ کا حوالہ دینے سے مقصود مسلمانوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ ہے کہ عہدِ الٰہی کی حرمت سخت سے سخت حالات میں بھی قائم رکھنی ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ جس خدا نے تم کو اپنے عہد و میثاق سے دنیا کی امامت کی سرفرازی بخشی ہے، اس کے ہاں نقضِ میثاق کی پاداش بھی بڑی ہی سخت ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳)

میتہ کی تفصیل

مَيْتَة، دَم، لَحْمُ خِنْزِيرِ اور مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کے تحت گزر چکا ہے۔

مُنْخَنِقَة اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹ کر مر جائے۔

مَوْقُوذَة جو چوٹ سے مر جائے، مثلاً کسی جانور پر دیوار گر پڑی یا وہ کسی ٹرک کے نیچے آگیا۔

مُتَرَدِّيَة جو اوپر سے نیچے گر کر مر جائے۔

نَطِيحَة جو کسی جانور کی سینگ سے زخمی ہو کر مر جائے۔

مَا أَكَلَ السَّبُعُ جس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔

مذکورہ پانچوں چیزوں کا ذکر درحقیقت میتہ کی تفصیل کے طور پر ہوا ہے اور اس تفصیل سے گویا اس حکم کی تکمیل ہو گئی جو بقرہ اور اس سے پہلے انعام میں بیان ہو چکا ہے۔ اس تفصیل کی ضرورت اس لیے تھی کہ بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ایک مردار میں جو طبعی موت مرا ہو اور اس جانور میں جو کسی چوٹ یا کسی حادثہ کا شکار ہو کر اچانک مر گیا ہو، کچھ فرق ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ شبہ اس زمانے میں بھی بعض لوگ پیش کرتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ تو اسی کو بہانہ بنا کر گردن مروڑی ہوئی مرغی بھی جائز کر بیٹھے۔ قرآن کی اس تفصیل نے اس شبہے کو صاف کر دیا۔

تھان استھان اور مزاروں پر قربانی کی ممانعت

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ، نُصُب تھان اور استھان کو کہتے ہیں۔ عرب میں ایسے تھان اور استھان بے شمار تھے جہاں دیویوں، دیوتاؤں، بھوتوں، جنوں کی خوشنودی کے لیے قربانیاں کی جاتی تھیں۔ قرآن نے اس قسم کے ذبیحے بھی حرام قرار دیے۔ قرآن کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ ان کے اندر حرمت مجرد بارادۂ

تقرب و خوشنودی، استھانوں پر ذبح کیے جانے ہی سے پیدا ہو جاتی ہے، اس سے بحث نہیں کہ ان پر نام اللہ کا لیا گیا ہے یا کسی غیر اللہ کا۔ اگر غیر اللہ کا نام لینے کے سبب سے ان کو حرمت لاحق ہوتی تو ان کے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اوپر 'وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ' کا ذکر گزر چکا ہے، وہ کافی تھا۔ ہمارے نزدیک اسی حکم میں وہ قربانیاں بھی داخل ہیں جو مزاروں اور قبروں پر پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں بھی صاحب مزار اور صاحب قبر کی خوشنودی مدنظر ہوتی ہے۔ ذبح کے وقت نام چاہے اللہ کا لیا جائے یا صاحب قبر و مزار کا، ان کی حرمت میں دخل نام کو نہیں بلکہ مقام کو حاصل ہے۔

'استقسام بالازلام' کی نوعیت

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ، 'اِسْتِقْسَام' کے معنی ہیں حصہ یا قسمت یا تقدیر معلوم کرنا۔ 'ازلام' جوئے یا فال کے تیروں کو کہتے ہیں۔ عرب میں فال کے تیروں کا بھی رواج تھا جن کے ذریعے سے وہ اپنے زعم کے مطابق غیب کے فیصلے معلوم کرتے تھے اور جوئے کے تیروں کا بھی رواج تھا جن کے ذریعے سے وہ گوشت یا کسی چیز کے حصے حاصل کرتے تھے۔ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں خمر و میسر کے تحت بیان کر آئے ہیں کہ عرب شراب نوشی کی مجلسیں منعقد کرتے، شراب کے نشے میں جس کا اونٹ چاہتے ذبح کر دیتے، مالک کو منہ مانگے دام دے کر راضی کر لیتے پھر اس کے گوشت پر جوا کھیلتے۔ گوشت کی جو ڈھیریاں جیتتے جاتے ان کو بھونتے، کھاتے، کھلاتے اور شرابیں پیتے اور بسا اوقات اسی شغل بدمستی میں ایسے ایسے جھگڑے کھڑے کر لیتے کہ قبیلے کے قبیلے برسوں کے لیے آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے اور سینکڑوں جانیں اس کی نذر ہو جاتیں ——
مجھے خیال ہوتا ہے کہ یہاں 'اِسْتِقْسَام بِالْاَزْلَام' سے یہی دوسری صورت مراد ہے۔

ذٰلِکُمْ فِسْقٌ، 'ذٰلِکُمْ' کا اشارہ اوپر ذکر کی ہوئی تمام چیزوں کی طرف ہے اور 'فسق' کا لفظ یہاں عام فقہی مفہوم میں نہیں ہے بلکہ قرآنی مفہوم میں ہے۔ قرآن میں یہ لفظ کھلی ہوئی نافرمانی، سرکشی، کفر اور شرک سب کی تعبیر کے لیے آیا ہے۔ ابلیس کے متعلق ہے فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ۔

کفار سے معاشرتی انقطاع کا اعلان

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ الایۃ، 'الیوم' سے مراد کوئی معین دن نہیں ہے بلکہ وہ زمانہ ہے جس میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ ہم تمہید میں اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ سورہ تمام تر اسلام کے تکمیلی دور کے احکام و ہدایات پر مشتمل ہے۔ کفار کے اس دین سے مایوس ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب تک تو وہ اس طمع خام میں مبتلا رہے ہیں کہ وہ اس کو یا تو مغلوب کر لیں گے یا 'کچھ لو اور کچھ دو' کے اصول پر کوئی ایسا سمجھوتہ کر لیں گے کہ دونوں کا نباہ ہو سکے۔ لیکن اب ان کی اس طمع خام کا خاتمہ ہو گیا۔ اب انھوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دونوں راہیں ایک دوسری سے اس طرح الگ الگ ہو گئی ہیں کہ اب ان کا کسی نقطۂ اتصال پر جمع ہونا بالکل ناممکن ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے اشتراک کو معاشرتی ارتباط میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اگر صورت یہ پیدا ہو جائے کہ ایک کے ہاں جو چیزیں حلال و طیب ہوں دوسرے کے ہاں وہ خبیث و حرام قرار دے دی جائیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں مکمل معاشرتی انقطاع

کا اعلان ہوگیا اور اب ان دونوں کے مل بیٹھنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے۔ قدرتی طور پر اس چیز نے ان کو اسلام اور مسلمانوں سے آخری درجے میں مایوس کر دیا۔ آخری مایوسی سے بعض مرتبہ آخری جھلاہٹ بھی پیدا ہوتی ہے لیکن یہ مریض کا آخری سنبھالا ہوتی ہے جس کے بعد آخری ہچکی کے سوا کوئی اور چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ اس وجہ سے قرآن نے فرمایا کہ اب ان سے اندیشہ ناک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب وہ زور لگائیں بھی تو ان میں دم کیا ہے۔ اب تم صرف مجھی سے ڈرو۔ ان کی کوئی پروانہ کرو۔

تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ الایۃ۔ تکمیلِ دین سے مراد اصل دین کی تکمیل ہے اور اتمامِ نعمت سے مراد اس آخری شریعت کا اتمام ہے۔ جہاں تک اصل دین کا تعلق ہے اس کا آغاز تو حضرت آدمؑ سے ہوا ہے۔ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ، حالات اور حکمتِ الٰہی کے تقاضوں کے مطابق، مختلف انبیاء و رسل پر یہ اترتا رہا یہاں تک کہ خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کامل ہو گیا۔ اس سے پہلے جو دین آئے وہ اسی دین کے اجزا تھے۔ ان کی حیثیت پورے دین کی نہیں تھی۔ پورے دین کی حیثیت صرف اسی دین کو حاصل ہے۔ اس حقیقت کے اشارات پچھلے آسمانی صحیفوں میں بھی موجود ہیں جن کے حوالے اس کتاب میں بھی گزر چکے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی اور اس قصرِ دین کے کونے کی آخری اینٹ ہیں۔

جہاں تک اس آخری امت پر اللہ کی نعمت کا تعلق ہے اس کا آغاز غارِ حرا کی پہلی وحی سے ہوا اور درجہ بدرجہ ۲۳ سال کی مدت میں اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا اتمام فرمایا۔ چنانچہ اس مرحلے میں آ کر ایک طرف اللہ کا دین بھی اپنے کمال کو پہنچ گیا، دوسری طرف اس امت پر اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی پوری ہو گئی۔ اسی کا مجموعی نام اسلام ہے جو ہمیشہ سے اللہ کا دین ہے اور جو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کی وراثت کی حیثیت سے نبی امی اور ان کی امت کو منتقل ہوا۔ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا میں اس دین کے لیے اللہ تعالیٰ کی اس پسندیدگی اور انتخاب کا اظہار ہے جس کے وجوہ و دلائل تفصیل کے ساتھ بقرہ اور آلِ عمران میں گزر چکے ہیں۔ اس پسندیدگی کے اظہار سے بالواسطہ یہودیت اور نصرانیت کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار بھی ہو گیا کہ وہ اللہ کے دین نہیں بلکہ دین سے انحراف کی مختلف شکلیں ہیں۔

اضطرار کی شرعی حد

فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ۔ مَخۡمَصَۃ، کے معنی بھوک کے ہیں۔ بھوک سے مضطر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی بھوک کی ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے کہ موت یا حرام میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے سوا کوئی اور راہ بظاہر کھلی ہوئی باقی ہی نہ رہ جائے۔ ایسی حالت میں اس کو اجازت ہے کہ حرام چیزوں میں سے بھی کسی چیز سے فائدہ اٹھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ کی قید اسی مضمون کو ظاہر کر رہی ہے جو دوسرے مقام میں غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے ادا ہوا ہے۔ یعنی نہ تو دل سے چاہنے والا بنے اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھنے والا۔ مَخۡمَصَۃ کی قید سے یہ بات صاف

نکلتی ہے کہ جہاں دوسرے غذائی بدل موجود ہوں وہاں مجرد اس عذر پر کہ شرعی ذبیحہ کا گوشت میسر نہیں آتا، جیسا کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر ملکوں کا حال ہے، ناجائز کو جائز بنا لینے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ گوشت زندگی کے بقا کے لیے ناگزیر نہیں ہے۔ دوسری غذاؤں سے نہ صرف زندگی بلکہ صحت بھی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر قائم رکھی جا سکتی ہے۔ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ کی قید اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ رخصت بہرحال رخصت ہے اور حرام بہر شکل حرام ہے، نہ کوئی حرام چیز شیر مادر بن سکتی نہ رخصت کوئی ابدی پروانہ ہے۔ اس وجہ سے یہ بات کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ رفع اضطرار کی حد سے آگے بڑھے۔ اگر ان پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی شخص کسی حرام سے اپنی زندگی بچالے گا تو اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اگر اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اپنے حظ نفس کی راہیں کھولے گا تو اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے، یہ اجازت اس کے لیے قیامت کے دن عذر خواہ نہیں بنے گی۔

اجزا کی وضاحت کے بعد آیت کے مجموعی نظام پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ یہ ان حرمتوں کی تفصیل بیان ہو رہی ہے جن کا پہلی آیت میں إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ کے الفاظ سے حوالہ دیا گیا تھا۔ اس میں پہلے ان چیزوں کا ذکر ہوا جن کی حرمت پہلے ہی بیان ہو چکی تھی، مزید تاکید اور تکمیل بحث کے طور پر ان کا بیان بھی اعادہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد 'میتہ' کی تفصیل فرمائی کہ جس طرح طبعی موت سے مرا ہوا جانور مردار ہے اسی طرح ناگہانی اور اتفاقی حوادث سے مرے ہوئے جانور بھی مردار ہیں۔ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اسی طرح کسی درندے کا پھاڑا ہوا جانور بھی مردار ہے الا آنکہ تم نے اس کو زندہ پایا ہو اور ذبح کر لیا ہو۔ اسی طرح کسی استھان پر پیش کی ہوئی قربانی اور جوئے کے ذریعے سے تقسیم کیا ہوا گوشت بھی حرام ہے۔ جس طرح غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کو شرک کی آلودگی سے حرمت لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح غیر اللہ کی خوشنودی اور جوئے کے تعلق سے ان چیزوں کو حرمت لاحق ہو جاتی ہے۔ حرمتوں کا یہ اعلان چونکہ کفار سے کامل معاشرتی انقطاع کے اعلان کے مترادف تھا، اس وجہ سے فرمایا کہ اب کفار تم سے اور تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اب ان کے اندر یہ دم خم باقی نہیں رہا کہ تمہارے دین کو مغلوب کرنے یا اس کو کچھ نرم بنانے کا حوصلہ کریں۔ اب اگر وہ کچھ کریں گے بھی تو وہ بس مایوسی کا مظاہرہ ہوگا تو تم اس کی پروا نہ کرنا۔ صرف میری ہی پروا کرنا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو بشارت دی کہ اب اللہ کا دین بھی تکمیل کی حد کو پہنچا اور تمہاری شریعت بھی اتمام کی منزل کو پہنچی اور اسلام کو خدا نے تمہارے لیے دین کی حیثیت سے پسند فرمایا۔ آخر میں اضطرار کی حالت میں، حرام سے فائدہ اٹھا لینے کی جو رخصت ہے اس کا ذکر فرمایا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ الآیۃ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ نازل تو اسی سلسلے میں حجۃ الوداع سے پہلے ہوئی ہے لیکن اس بشارت کا اعلان عام چونکہ حجۃ الوداع ہی کے موقع پر ہوا اس وجہ سے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ اس کا نزول اسی موقع پر ہوا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۴)

سدھائے ہوئے جانوروں کے پکڑے ہوئے شکار کا حکم

یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ۔ سوال قرآن کے معروف اسلوب بیان کے مطابق اختصار کے ساتھ نقل ہوا ہے لیکن جواب بتا رہا ہے کہ سوال، سدھائے اور سکھلائے ہوئے جانوروں کے پکڑے ہوئے شکار سے متعلق ہے کہ اگر وہ شکار پکڑیں اور شکار ذبح کی نوبت آنے سے پہلے ہی دم توڑ دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوا ہوگا کہ اوپر والی آیت میں درندے کے پھاڑے ہوئے جانور کو صرف اس صورت میں جائز بتایا ہے جب اس کو زندہ حالت میں ذبح کر لیا جائے۔

تحریم و تحلیل کے باب میں ایک کلیہ

'قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ'۔ یہ جواب کا صرف ایک حصہ ہے جو ایک کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کا یہ بھی ایک اسلوب ہے کہ وہ کسی سوال کا جواب دیتا ہے تو اس کا آغاز بالعموم جامع بات سے کرتا ہے کہ جواب صرف سوال ہی تک محدود نہ رہ جائے بلکہ ایک وسیع دائرے میں سائل کی رہنمائی کرے۔ چنانچہ پہلے فرمایا کہ تمھارے لیے 'طیبات' حلال ہیں۔ 'طیبات' کا لفظ خبائث کا ضد ہے۔ 'طیبات' اچھی، ستھری اور پاکیزہ چیزوں کو کہتے ہیں۔ سوال چونکہ جانوروں سے متعلق ہے اس وجہ سے اس سے مراد وہ جانور ہوں گے جو اولاً تو خود اپنے مزاج، اپنی سرشت اور انسان کے لیے اپنی افادیت اور اپنے اثرات کے لحاظ سے اچھے اور پاکیزہ ہوں، ثانیاً ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر لیا گیا ہو۔ اس طرح اس سے وہ تمام جانور نکل جائیں گے جو اپنے مزاج اور سرشت کے اعتبار سے انسان کے صالح مزاج سے مناسبت رکھنے والے نہ ہوں، مثلاً خنزیر، کتے، بندر، درندے اور شکاری پرندے وغیرہ۔ یا مزاج سے مناسبت رکھنے والے تو ہوں لیکن کسی خارجی سبب سے ان کے اندر خبث و فساد پیدا ہو گیا ہو۔ مثلاً جانور مر گیا یا غیر اللہ کے نام پر یا کسی استھان پر اس کو ذبح کیا گیا ہو۔ یہ خبائث میں داخل ہیں۔ قرآن کے اس جواب سے یہ رہنمائی ملی کہ شکار کیے ہوئے جانوروں میں بھی حلال صرف طیبات ہیں، خبائث اس حلت سے خارج ہیں۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ۔ جوارح، شکاری جانوروں کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ درندوں میں سے ہوں مثلاً کتے، شیر، چیتے وغیرہ یا پرندوں میں سے مثلاً باز اور شکرے وغیرہ۔

'کلب' کتے کو کہتے ہیں۔ اسی سے 'تکلیب' بنا لیا ہے جس کے معنی کتے کو شکار کی ٹریننگ دینے کے ہیں۔ ابتداً تو یہ لفظ اسی معنی کے لیے استعمال ہوا لیکن پھر اس کا استعمال شکاری جانوروں کی تربیت کے لیے عام ہو گیا، خواہ کتا ہو یا شکاری درندوں اور پرندوں میں سے کوئی اور جانور۔ تُعَلِّمُوْنَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سے اس تربیت اور ٹریننگ کی نوعیت کا اظہار ہو رہا ہے کہ تم نے اس سلیقہ میں سے ان کو کچھ بتایا اور سکھایا ہو جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر تربیت میں مربی کے ذوق، اس کی پسند و ناپسند اور اس کے

مقصود تربیت کی جھلک ہوتی ہے اور اس چیز کو جس طرح زیر تربیت انسان اپناتا ہے اسی طرح اپنی جبلی استعداد کے حد تک حیوانات بھی اپناتے ہیں۔ یہ چیز سدھائے ہوئے جانوروں کو دوسرے جانوروں سے بالکل الگ کر دیتی ہے اس وجہ سے ایک عام کتے کے شکار اور ایک سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں فرق ایک امر فطری ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کے تربیت کردہ کتے اور ایک عیسائی کے تربیت کردہ کتے کے میلان اور سلیقہ میں بھی فرق ہو جائے گا۔ میرے نزدیک تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ کے الفاظ سے اسی خاص سلیقہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو کسی سدھائے ہوئے جانور کو اس کے مسلمان مربی سے ملتا ہے۔ اپنے اس سلیقہ کی وجہ سے یہ جانور اپنے مربی کا آلہ اور جارحہ بن جاتا ہے اور اس کا کیا ہوا شکار اس کے لیے اسی طرح طیب بن جاتا ہے جس طرح اس کے اپنے ہاتھ کا ذبیحہ۔

تربیت یافتہ جانور کی علامت

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ، اِمْسَاك کے معنی روکنے اور تھامنے کے ہیں۔ جب اس کے ساتھ علیٰ آئے جیسا کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ میں ہے تو اس کے اندر اختصاص کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے یعنی کسی شے کو کسی خاص کے لیے روک یا سینت رکھنا۔ اب یہ سوال کا اصل جواب ہے۔ فرمایا کہ اگر مذکورہ شرائط کے مطابق تربیت کیا ہوا جانور ہو تو اس کے کیے ہوئے شکاروں میں سے وہ شکار تمھارے لیے جائز ہوگا جو وہ خاص تمھارے لیے روک رکھے۔ چونکہ یہاں اختصاص کا مضمون پایا جاتا ہے اس وجہ سے میں ان لوگوں کے مذہب کو زیادہ قوی سمجھتا ہوں جو کہتے ہیں کہ شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھالے تو وہ شکار جائز نہ ہوگا۔ یہی بات بعض احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ میرے نزدیک اس معاملے میں درندے اور پرندے کے شکار کے درمیان فرق کرنے کی بھی کوئی قوی بنیاد نہیں ہے۔ اس حد تک تربیت جس طرح درندے قبول کر لیتے ہیں، تجربہ کار بتاتے ہیں کہ باز، عقاب، شاہین بھی قبول کر لیتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ کا مفہوم

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، میں ضمیر مجرور کے مرجع سے متعلق سلف سے تین قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ شکاری جانور کو چھوڑتے وقت اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو، اس قول کے قائلین کے نزدیک مرجع وَمَا عَلَّمْتُمْ ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر شکار زندہ ہاتھ آ گیا ہو تو اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لو۔ اس گروہ کے نزدیک مرجع مِمَّآ اَمْسَكْنَ، ہے۔ تیسرا یہ کہ اس شکار کو کھاتے وقت اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ ان لوگوں کے نزدیک اس کا تعلق فَكُلُوْا سے ہے۔ ان میں سے پہلے قول کی تائید میں ایک حدیث ہے جو بخاری میں عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑوں اور کوئی دوسرا کتا بھی اس میں شریک بن جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ایسا شکار نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اللہ کا نام اپنے کتے پر لیا ہے، دوسرے کتے پر نہیں لیا ہے۔

دوسرے قول میں یہ ضعف ہے کہ جب اوپر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ درندے کا کھایا ہوا شکار اگر زندہ ہاتھ آ جائے تو اس کو ذبح کر کے کھا سکتے ہو تو تربیت یافتہ جانور کے شکار سے متعلق بعینہٖ اسی حکم کا اعادہ

ایک بالکل غیر ضروری بات کا اعادہ ہے۔

تیسرے قول میں اس طرح کا کوئی ضعف یا اشکال اگرچہ نہیں ہے لیکن یہ بات عام آداب طعام سے تعلق رکھنے والی بات ہے، یہاں اس کا محل سمجھ میں نہیں آتا۔

شکار بادیہ نشین قوموں کی ایک معاشی ضرورت ہے

اس سوال اور اس کے جواب کی یہ اہمیت ملحوظ رہے کہ شکار عرب میں محض ایک شوقیہ تفریح نہیں تھا بلکہ ان کے ہاں اس کو معاش کے ایک اہم ذریعے کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کی معاش کا انحصار تین چیزوں پر تھا۔ گلہ بانی، تجارت، شکار۔ اس معاشی اہمیت کے سبب سے ان کے ہاں شکاری جانوروں کی تربیت کا فن بھی کافی ترقی کر گیا تھا۔ امرؤالقیس جب اپنے شعروں میں اپنی کتیا کا ذکر کرتا ہے تو آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کسی کتیا کا ذکر ہے یا کسی شعلہ صفت پُرفن قتالہ کا۔ اور یہ چیز کچھ عربوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا کی تمام بادیہ نشین قوموں کی یہ مشترک خصوصیت ہے۔ اس وجہ سے حلت وحرمت کی اس بحث میں یہ سوال پیدا ہوا اور قرآن نے اس کا جواب دیا اور اس جواب سے یہ حقیقت نہایت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ حلت وحرمت اور پاکی و ناپاکی کے حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے شکار، فنِ شکار اور شکاری جانور ہر چیز کی اسلام نے عزت بڑھائی ہے۔ ایک تربیت پائے ہوئے درندے کی یہ عزت بڑھائی کہ اس کا پکڑا ہوا شکار اگر ذبح سے پہلے ہی دم توڑ دے جب بھی طیب ہے، اس فنِ تربیت کی عزت یہ بڑھائی کہ اس کو تعلیمِ الٰہی کا ایک جزو قرار دیا، اور یہ رہنمائی دی کہ کتوں اور درندوں کی تربیت کے معاملے میں بھی ایک مسلمان کو اپنے مخصوص اسلامی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ گویا اسلام میں فنِ شکار بھی دوسروں کے فنِ شکار سے مختلف مزاج رکھتا ہے۔

آخر میں وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ فرما کر اللہ کے مقرر کردہ حدود اور اس کے عہد و پیمان کے احترام کی یاددہانی یہاں بھی فرما دی کہ شکار کی حرص و ہوس میں خدا کے حدودِ حلت وحرمت کو نہ بھول جانا ورنہ روزِ حساب بہت دور نہیں ہے۔ یہ یاددہانی اس پہلو سے بھی بہت ضروری تھی کہ جب شکار معاشی ضرورت ہو تو اس میں بے احتیاطی کے بڑے امکانات ہیں۔

اَلۡیَوۡمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمۡ ۪ وَطَعَامُکُمۡ حِلٌّ لَّہُمۡ ۫ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ وَلَا مُتَّخِذِیۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُہٗ ۫ وَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (۵)

اس آیت میں کوئی مشکل لفظ یا مشکل ترکیب نہیں ہے۔ اس کے تمام اجزا پچھلی سورتوں میں زیرِ بحث آچکے ہیں۔ البتہ اس کا موقع محل اچھی طرح سمجھ لینے کا ہے۔

بعثت انبیاء پر دشمن بھی دوست

یہ آیت اس انعامِ عام کا اعلان ہے جو خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعے

سے تمام دُنیا پر عموماً اور اہل کتاب پر خصوصاً ہونے والا تھا۔ پچھلے صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق جو پیشین گوئیاں وارد ہیں اور جن میں سے بعض کا حوالہ بقرہ اور آل عمران کی تفسیر میں ہم دے چکے ہیں، ان میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب آخری نبی آئیں گے تو اہل کتاب کو طیبات و خبائث سے متعلق خدا کے امر و نہی سے آگاہ کریں گے اور حلال و حرام کے باب میں ان تمام پابندیوں اور بیڑیوں سے ان کو آزاد کریں گے جو انھوں نے اپنے اوپر یا تو از خود عائد کر رکھی ہیں یا ان کی سرکشی کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کر دی ہیں۔ قرآن مجید نے ان تمام پیشین گوئیوں کا حوالہ سورۂ اعراف میں ان الفاظ میں دیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الاعراف -۷ : ۱۵۷)

جو لوگ اس رسول، یعنی نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو جائز کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان سے ان کے اس بوجھ اور ان پابندیوں کو دور کرتا ہے جو ان پر تھیں تو جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے، اس کی تائید و نصرت کریں گے اور اس روشنی کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اتاری گئی، وہی لوگ فلاح پانے والے بنیں گے۔

یہ انھی باتوں کا حوالہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ظہور میں آنے والی تھیں چنانچہ آپ کے وجود باجود نے ان میں سے ایک ایک بات کی عملاً تصدیق فرما دی۔ آپ نے تمام طیب اور پاکیزہ چیزیں جائز کر دیں جن میں بعض یہود کے ہاں حرام تھیں، تمام خبیث چیزیں حرام ٹھہرائیں جن میں سے بعض یہود و نصاریٰ نے جائز بنا لی تھیں اور وہ تمام پابندیاں اور بیڑیاں ختم کر دیں جو انھوں نے یا تو از خود اپنے اوپر لادی تھیں یا ان کی ضد، سرکشی، اکڑپن اور کٹ حجتی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد کر دی گئی تھیں[1]۔ اس مرحلے میں آ کر چونکہ یہ کام مکمل ہو چکا تھا اور یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی کہ اہل کتاب نے جو خبیث چیزیں جائز بنا لی ہیں محض اپنی بدعت سے جائز بنائی ہیں اور جو طیب چیزیں ان پر حرام ہیں وہ محض ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر حرام ہیں، نبی امی کی بعثت کے بعد یہ پابندیاں ختم ہو گئیں تو مسلمانوں کو اجازت دے دی گئی کہ حرام و حلال اور خبیث و طیب کی اس وضاحت کے بعد اب تم اہل کتاب کا کھانا کھا سکتے ہو اس لیے کہ اب تمھارے لیے کسی خبیث سے آلودہ

---

[1] اس کی تفصیل سورۂ انعام آیت ۱۴۶ کے تحت آئے گی۔

ہو جانے کا اندیشہ نہیں رہا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ تمہارا کھانا اہل کتاب کے لیے جائز ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق نبی امی کی بعثت کے بعد اب وہ تمام پابندیاں ختم ہو گئیں جو ان پر عائد تھیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ یہود منتظر کب تھے کہ قرآن ان کے لیے مسلمانوں کے کھانے کے جائز ہونے کا اعلان کرے، پھر اس کا فائدہ کیا، یہ تو مفت کرم داشتن کے قسم کی بات ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہود منتظر تو تھے اور منتظر ہوتے کیوں نہ جب کہ ان کے اپنے صحیفوں میں آخری نبی کی پیشین گوئی اس تصریح کے ساتھ موجود تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو تمام اصر و اغلال سے نجات دیں گے، لیکن اس نبی کی بعثت چونکہ ان کے حریفوں یعنی بنی اسمٰعیل کے اندر ہوئی اس وجہ سے جان بوجھ کر جیسا کہ بقرہ اور آل عمران میں وضاحت ہو چکی ہے، وہ اس کی مخالفت کے درپے ہو گئے اور حسد میں انھوں نے اپنے آپ کو ان تمام رحمتوں اور برکتوں سے محروم کر لیا جن کے سب سے پہلے حقدار وہی تھے اگر وہ نبی امی پر ایمان لاتے۔

پھر فرض کیجیے، بنی اسرائیل اس کے منتظر نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ان سے فرمایا تھا اس کو تو پورا ہونا تھا۔ ان سے جب یہ وعدہ تھا کہ آخری نبی کے ذریعے سے کھانے پینے کے معاملے میں وہ تمام پابندیاں ان سے اٹھالی جائیں گی جو ان کی سرکشی کے سبب سے عائد ہوتی ہیں تو جب اس وعدے کے پورا کرنے کا وقت آیا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا کھانا ان کے لیے جائز کر کے یہ وعدہ پورا کر دیا۔ رہی یہ بات کہ انھوں نے اس کی قدر نہیں کی تو یہ ان کی اپنی محرومی و بدقسمتی ہے۔ ان کی نالائقی کی وجہ سے آخر خدا اپنے وعدے کو کیوں فراموش کرتا؟ سورج چمکتا ہے خواہ کوئی اپنی آنکھیں بند رکھے یا کھلی رکھے۔ نسیم صبح اپنی عطر بیزیوں سے ہر شامۂ جان کو معطر کرنا چاہتی ہے اور اس کے فیض عام کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہر ایک کو فیض یاب کرے لیکن جو محروم القسمت اپنی ناک اور اپنے منہ بند کر لیتے ہیں وہ اس سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی طرح رب کریم نے جو سفرۂ نعمت اس امت کے ذریعے سے تمام دنیا کے آگے بچھانا چاہا تھا وہ بچھا دیا اور اس سے متمتع ہونے کی دعوت اہل کتاب کو بھی دے دی۔ انھوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہے۔

اہل کتاب کا کھانا اسلامی حدودِ حلت و حرمت کی پابندی کے ساتھ جائز ہے

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کو اہل کتاب کے کھانے پینے کی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت جو دی گئی ہے وہ اس وقت دی گئی ہے جب ان کو اس باب کی آخری ہدایات سے آگاہ کیا جا چکا ہے، جب حلال و حرام دونوں اچھی طرح واضح کر دیے گئے ہیں، جب اہل کتاب اور مشرکین دونوں کی بدعات کی تفصیل ان کو سنا دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سارے اہتمام کا مقصد مسلمانوں کو یہ بتانا تھا کہ تم دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ معاشرتی تعلقات رکھو لیکن حلت و حرمت کے ان

حدود کی پابندی کے ساتھ جو تمھارے لیے قائم کر دیے گئے ہیں۔ اس آیت میں الیوم کا لفظ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اب تمھیں خبیث و طیب کا پورا امتیاز حاصل ہو چکا ہے اس وجہ سے تمھیں یہ اجازت دی جا رہی ہے، یہ خطرہ نہیں رہا کہ تم ان کے دسترخوان پر بیٹھ کر کسی حرام یا شتبہ میں مبتلا ہو جاؤ گے[1]

کتابیات سے جواز نکاح کی شرط

اس کے بعد فرمایا کہ جس طرح تمھارے لیے شریف اور پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح شریف اور پاک دامن کتابیات سے بھی نکاح جائز ہے۔ یہاں لفظ مُحْصَنَات استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں تین معنوں میں آیا ہے اور ہم اس کے تینوں معنوں کی وضاحت دوسرے مقام میں کر چکے ہیں۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد باعزت، شریف اور اچھے اخلاق کی عورتیں ہیں۔ یعنی یہ اجازت مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ یہ عورتیں بدچلن، پیشہ ور، آوارہ اور بدقوارہ نہ ہوں۔ جس طرح تمھارے لیے ان کے دسترخوان کی صرف طیبات جائز ہیں اسی طرح ان کی عورتوں میں سے صرف محصنات جائز ہیں۔

ہمارے سلف صالحین میں سے ایک گروہ نے دارالحرب اور دارالکفر میں کتابیات سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس کے جواز کے لیے دارالاسلام ہونا بھی ایک شرط ہے۔ مجھے یہ قول بہت ہی قوی معلوم ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات انھوں نے فحوائے کلام سے مستنبط کی ہے۔ میں اس کے ماخذ کے لیے لفظ اَلْیَوْمَ کی طرف پھر توجہ دلاتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت میں وقت کے حالات کو بھی دخل ہے۔ اوپر اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ والی آیات بھی گزر چکی ہیں اور فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ بھی ارشاد ہو چکا ہے، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس دور میں کفار کا دبدبہ ختم ہو چکا تھا اور مسلمان ایک ناقابل شکست طاقت بن چکے تھے۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ ان کو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی تو وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا ہو کر تہذیب اور معاشرت اور اعمال و اخلاق میں ان سے متاثر ہوں گے، بلکہ توقع تھی کہ مسلمان ان سے نکاح کریں گے تو ان کو متاثر کریں گے اور اس راہ سے ان کتابیات کے عقائد و اعمال میں خوشگوار تبدیلی ہوگی اور عجب نہیں کہ ان میں بہت سی ایمان و اسلام سے مشرف ہو جائیں۔

علاوہ ازیں یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ کتابیات سے نکاح کی اجازت بہرحال علی سبیل التنزل دی گئی ہے۔ اس میں آدمی کے خود اپنے اور اس کے آل و اولاد اور خاندان کے دین و ایمان کے لیے جو خطرہ ہے، وہ مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مسلمان مردوں کو تو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی

---

[1] اہل کتاب کے ذبیحہ کے جواز کے لیے بھی کھانا ہی بےجو پہلے بیان ہوئی ہے بلکہ اصلاً یہ بحث جیساکہ سیاق کلام سے واضح ہے، ذبیحہ ہی سے متعلق ہے۔

لیکن مسلمان عورت کو کسی صورت میں بھی کسی غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی۔ یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اجازت صرف ایک اجازت ہے۔ یہ کوئی مستحسن چیز نہیں ہے۔ اگر ماحول اسلامی تہذیب و معاشرت کا ہو اور آدمی کسی نیک چال چلن کی کتابیہ سے نکاح کر لے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن کافرانہ ماحول میں جہاں کفر اور اہل کفر کا غلبہ ہو اس قسم کا نکاح چاہے اس آیت کے الفاظ کے خلاف نہ ہو لیکن اس کے فحویٰ، اس کی روح اور اس کے موقع و محل کے خلاف ضرور ہے۔

یہ بات یہاں چنداں یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلام کے بہت سے قوانین دارالاسلام کی شرط کے ساتھ مشروط ہیں۔ اسی طرح بعض رخصتیں اور اجازتیں بھی خاص ماحول اور خاص حالات کے ساتھ مشروط ہیں۔ آگے اس سلسلے کی بعض اہم باتیں بیان ہوں گی۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ پر ہم تفصیل کے ساتھ سورۂ نساء کی آیات ۲۴-۲۵ کے تحت بحث کر چکے ہیں۔

'کفر بالایمان' کا مطلب

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ کفر بالایمان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خدا اور رسول کو ماننے کا دعویٰ بھی کرے اور ساتھ ہی خدا اور رسول کے احکام کے صریح خلاف محض اپنی خواہشات کی اتباع میں قانون و شریعت ایجاد کر کے اس پر عمل پیرا بھی ہو۔ یہ وہی ایمان ہے جس کو قرآن نے نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ سے تعبیر کیا ہے۔ کفر و ایمان دونوں کے اس ملغوبہ کی خدا کے ہاں کوئی پوچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان صرف وہ معتبر ہے جو اللہ تعالیٰ کے شرائط پر ہے۔ جو لوگ اپنے شرائط پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان ان مدعیان ایمان کے منہ پر پھینک مارا جائے گا اور اس قسم کے ایمان کے تحت کیے ہوئے سارے اعمال خدا کے ہاں ڈھے جائیں گے۔ اس پر پیچھے بھی بحث گزر چکی ہے۔

۲۔ آگے کا مضمون —— آیات ۶-۱۱

اوپر طعام و نکاح کے باب کے طیبات و خبائث کا ذکر فرما کر ان کی تطہیر فرمائی۔ اب نماز کی طہارت کا بیان آ رہا ہے۔ نماز کی طہارت وضو ہے اور بصورتِ جنابت غسل۔ اسی ذیل میں پانی نہ ملنے یا کسی عذر کی صورت میں تیمم کی اجازت مرحمت فرمائی جو اس امت پر اتمام نعمت ہے اور یہ اس باب کا تکمیلی حکم ہے۔

اس کے بعد اس سلسلے میں جو اتمام نعمت فرمایا ہے اس کی یاد دہانی کرتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ تم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ کر خدا کے ساتھ جس عہد میں شریک ہوئے ہو اس کو برابر یاد رکھنا۔ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ خدا سے کوئی بات بھی ڈھکی چھپی رہنے والی نہیں ہے۔ وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی اچھی طرح باخبر ہے۔

اس کے بعد قیام بالقسط اور شہادت علی الناس کے جس منصب پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مامور فرمایا ہے اس کی یاد دہانی فرما دی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اب اس دنیا میں حق و عدل کی میزان وہی ہیں۔ اگر انھوں نے انحراف اختیار کیا تو ہر چیز ٹیڑھی ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں انحراف کے اس سب سے بڑے محرک

کا بھی حوالہ دیا جو پچھلی امتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہو چکا ہے تاکہ یہ امت اس سے اچھی طرح ہوشیار رہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرما دیا کہ اگر تم موافق و مخالف سب کے لیے حق و عدل پر قائم رہنے والے ثابت ہوئے تو آخرت کا اجرِ عظیم بھی تمہارے لیے ہے اور دنیا میں بھی تم ہی کامیاب و بامراد رہو گے تمہارے دشمن تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۶ - ۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٦﴾ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ ؏

ترجمۂ آیات ۶-۱۱

اے ایمان والو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ اور اگر حالتِ جنابت میں ہو تو غسل کر لو، اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آیا ہو یا عورتوں سے ملاقات کی ہو، پھر پانی نہ پاؤ تو پاک جگہ دیکھ کر اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر اس سے مسح کر لو، اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم اس کے شکر گزار رہو۔ ۶

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا، جب کہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سینوں کے بھیدوں سے بھی باخبر ہے۔ اے ایمان والو، عدل کے علم بردار بنو، اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ اے ایمان والو، اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد کرو جب کہ ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کرے تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھ کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ ہی پر چاہیے کہ اہلِ ایمان بھروسہ کریں۔ ۷-۱۱

۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا

بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۶)

وضو سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ

'اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ'، 'قام' کے بعد جب 'الیٰ' آتا ہے تو اس کے معنی قصد کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی جب تم نماز کا قصد کرو تو اس کے لیے طہارت حاصل کرلو۔ پھر اس طہارت کا طریقہ بتایا ہے جس پر ہم خود بھی پیچھے بحث کرچکے ہیں اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی ثابت ہے اور عقل و فطرت بھی گواہی دیتی ہے کہ ایک مرتبہ کی حاصل کردہ طہارت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کوئی ناقض حالت پیش نہ آجائے۔ اس وجہ سے یہ ہدایت اس حالت کے لیے ہے جب آدمی کا وضو باقی نہ ہو۔ اگر باقی ہو تو تازہ وضو کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نشاطِ خاطر حاصل کرنے کے لیے تازہ وضو کرے تو یہ فضیلت تو ضرور ہے لیکن شریعت کا مطالبہ نہیں ہے۔

رہے یہ سوالات کہ دھونے کا طریقہ کیا ہے۔ مذکورہ اعضا ایک ایک بار دھوئے جائیں یا دو دو تین تین بار، کل کے دھوئے جائیں یا صرف پانی بہا لیا جائے۔ کنپٹی، داڑھی اور کہنیوں کے معاملے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے تو ان کا تعلق احکام سے نہیں بلکہ آداب سے ہے اور آداب سیکھنے کا بہترین ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ کی سنت سے جو باتیں ثابت ہوں خواہ اس کی شکلیں مختلف ہوں، سب میں خیر و برکت ہے۔

'وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ' مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں اور حرف 'ب' اس طرح کے مواقع میں احاطہ کے مفہوم پر دلیل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مجھے ان لوگوں کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے جو پورے سر کے مسح کے قائل ہیں۔ اگرچہ عمامہ وغیرہ کی صورت میں رفع زحمت کے پہلو سے سر کے جزوی حصے کا مسح بھی کافی ہے۔

'وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ' اس کا عطف 'اَيْدِيَكُمْ' پر ہے۔ اس وجہ سے یہ ان اعضا کے تحت داخل ہے جن کے لیے دھونے کا حکم ہے۔ وضو میں اعضا کی ترتیب واضح کرنے کے لیے اس کو مؤخر کردیا گیا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ ترتیب فطری بھی ہے اور شرعی بھی۔ بعض لوگوں نے اس کو مسح کے تحت داخل کیا ہے لیکن یہ قول متواتر قراءت اور متواتر سنت کے بھی خلاف ہے اور عربیت کے بھی۔ اگر پاؤں کا مسح ہوتا تو اس کے ساتھ 'اِلَى الْكَعْبَيْنِ' کی قید بالکل غیر ضروری تھی۔ چنانچہ دیکھیے، وضو میں ہاتھ دھونے کے لیے 'اِلَى الْمَرَافِقِ' کی قید لگائی ہے لیکن تیمم میں جہاں مسح کا حکم دیا ہے 'اِلَى الْمَرَافِقِ' کی پابندی اڑا دی اس لیے کہ مسح میں اس قسم کی پابندی ایک بالکل غیر مفید بات تھی۔

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا الآية یہ ٹکڑا معمولی تغیر الفاظ کے ساتھ سورۂ نساء آیت ۴۳ میں بھی گزر چکا ہے وہاں ہم تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔

وضو اور تیمم کے احکام کی علت و حکمت

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ الآية اب یہ اس حکم کی علت و حکمت بیان ہو رہی ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے ان پابندیوں کو سخت محسوس کیا ہو تو ان پر ان کی افادیت واضح ہو جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ غیر عادی طبائع پر غسل اور وضو کی یہ پابندی ہے بڑی شاق اور بڑی آزمائش کی چیز لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی بندوں کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں عائد کی ہے۔ اگر مشقت مقصود ہوتی تو بیماری اور سفر وغیرہ کی حالت میں تیمم کی اجازت کیوں مرحمت ہوتی؟ بلکہ یہ بندوں کو پاکیزہ بنانے کے لیے عائد کی گئی ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ خدا اور اس کے قدوسیوں کا قرب حاصل کرنے کے اہل ہو سکیں۔ اصلاً تو پاکیزگی باطن کی مطلوب ہے اور نماز باطن ہی کی پاکیزگی کے لیے فرض کی گئی ہے لیکن ظاہر اور باطن میں بڑا گہرا رشتہ ہے، ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے نماز کے لیے وضو کا حکم دیا ہے اور ناپاکی کی حالت ہو تو غسل کا۔ یہ چیز اس باطنی طہارت کے حصول میں معین ہے جو نماز کا اصل مقصود ہے۔

وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کے باب میں وضو اور تیمم کے ان احکام کے بعد اللہ کی نعمت تم پر تمام کی گئی۔ سورۂ نساء میں تیمم پر بحث کرتے ہوئے ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ یہود کے ہاں طہارت کے معاملے میں بڑی سخت قیدیں اور پابندیاں تھیں۔ اول تو ان کی شریعت کے احکام تھے ہی سخت، پھر ان پر مزید اضافہ ان کے فقہا کے تشددات نے کر دیا تھا۔ تیمم کا ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہیں تھا اور یہ بات تو ان کے ہاں انتہائی بددینی کی تھی کہ کوئی شخص حدث و جنابت کی حالت میں خواہ کیسی ہی معذوری و مجبوری ہو، مجرد تیمم پر اکتفا کر کے نماز پڑھ لے۔ چنانچہ قرآن میں جب تیمم کی اجازت نازل ہوئی تو اس کا انھوں نے نہ صرف مذاق اڑایا بلکہ اس کو دلیل بنا کر یہاں تک کہنے لگے کہ ان مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ تو مکہ کے مشرکین ہیں۔ یہود کے یہ تشددات بھی منجملہ ان اصر و اغلال کے تھے جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دور ہونے والے تھے چنانچہ تیمم کی اجازت نے طہارت کے باب میں اللہ کی نعمت کا اتمام فرمایا اور اس اتمام نعمت سے اس امت کو جو سہولتیں اور برکتیں حاصل ہوئیں ان پر ہر آن شکر واجب ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۷)

اب یہ اس اتمام نعمت کا حق بتایا ہے کہ اللہ نے اپنی آخری اور کامل شریعت تم پر نازل کر کے جو فضل و انعام فرمایا ہے اور تم کو جو عزت و سرفرازی بخشی ہے، یہود کی طرح اس کو بھول نہ جانا بلکہ اس کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ 'یاد رکھنا' اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ یعنی ظاہراً و باطناً ہر پہلو سے اس کا حق ادا کرنا۔ اس کے بعد

اس ذمہ داری کی نوعیت واضح فرما دی کہ یہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ایک مضبوط میثاق کی حیثیت رکھتی ہے جو خدا نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تم سے لیا ہے اور تم نے پیغمبر کے سامنے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہہ کر اس میثاق کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ خدا نے تمہارے لیے دنیا و آخرت کی کامرانیوں کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ اسی میثاق پر منحصر ہیں۔ اگر تم نے اس کو توڑا تو اس کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔ اس لیے اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات یاد رکھو کہ خدا دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا١ؕ اِعْدِلُوْا١۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی٘ وَاتَّقُوا اللّٰهَ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۸)

میثاق شریعت کی ذمہ داری امت مسلمہ پر

كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ: تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ یہ ٹکڑا سورۂ نساء کی آیت ۱۳۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہ اسی میثاق کی اجتماعی ذمہ داری واضح کی گئی ہے کہ مسلمانوں پر بحیثیت امت مسلمہ یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس حق و عدل کے علم بردار بنیں جو اس آخری شریعت کی شکل میں ان کو عطا ہوا ہے۔ خود اپنے اندر اس کو قائم کریں اور اسی کی شہادت دنیا کے سامنے دیں۔

وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ: یہ ٹکڑا اسی سورہ کی آیت ۲ میں گزر چکا ہے۔ یہ حق و عدل کی راہ کے سب سے بڑے فتنے سے آگاہ کیا گیا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی اور اس کا غلط سے غلط رویہ بھی تمہیں اس حق و عدل سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شیطان نے راہ حق سے گمراہ کرنے میں سب سے زیادہ جس حربے سے کام لیا وہ یہی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کا حربہ ہے۔ یہود نے محض بنی اسمٰعیل اور مسلمانوں کی دشمنی میں اس تمام عہد و پیمان کو خاک میں ملا دیا جس کے وہ گواہ اور ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں سے یہ عہد لیا گیا کہ وہ شیطان کے اس فتنے سے بچ کے رہیں۔ دوستوں اور دشمنوں دونوں کے لیے ان کے پاس بس ایک ہی باٹ اور ایک ہی ترازو ہو۔

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی: یہی عدل، تقویٰ سے اقرب ہے۔ یعنی تقویٰ جو تمام دین و شریعت کی روح اور اہل ایمان کے ہر قول و فعل کے لیے کسوٹی ہے اس سے موافقت رکھنے والا طرز عمل یہی ہے کہ دشمن کی دشمنی کے باوجود اس کے ساتھ کوئی معاملہ عدل و حق سے ہٹ کر نہ کیا جائے۔ اس سے دین میں تقویٰ کا مقام واضح ہوا کہ تمام نیکیاں درحقیقت اسی کی جڑ سے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ١ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (۹-۱۰)

یہ مذکورہ بالا میثاق پر عمل کرنے اور نہ کرنے دونوں کا نتیجہ بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اس میثاق پر قائم رہیں گے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور جو اس کو توڑیں گے ان کے لیے جہنم ہے۔ اس سے ایک تو یہ بات نکلی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس میثاق کی ذمہ داری ڈالی ہے، اسی طرح اپنے

اور پر بھی اس کے جواب میں ایک عہد کی ذمہ داری لی ہے۔ اس کا اظہار وَعَدَ اللّٰہُ کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ یہ رب کریم کی کتنی بڑی بندہ نوازی ہے کہ وہ اپنی ہی پیدا کی ہوئی اور اپنی ہی پروردہ مخلوق کے ساتھ ایک معاہدے میں شریک ہو اور جواب میں اپنی ذات پر بھی ایک عہد کی ذمہ داری اٹھائے۔ انسان کو یہ وہ شرف بخشا گیا ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ دوسری بات یہ نکلی کہ ایمان و عمل صالح کی تعبیر ایک جامع تعبیر ہے جس میں وہ سب کچھ شامل ہے جو پروردگار نے اپنی شریعت کی شکل میں ہمیں عطا فرمایا ہے اور جس کی پابندی کا ہم سے اقرار لیا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۭ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۱)

اوپر آیت ۸ میں مسلمانوں سے ہر حالت میں حق و عدل پر قائم رہنے اور مخالفین کے علی الرغم اس کو نباہنے اور اس کی شہادت دینے کا جو عہد لیا ہے اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اب تمہیں مخالفوں کی مخالفت کی پروا نہیں کرنی ہے۔ اگر تم اس عہد پر جمے رہے تو خدا کی مدد و نصرت ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے دشمن تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بعینہٖ یہی مضمون فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ میں گزر چکا ہے۔ اب یہ اسی بات کی تائید میں واقعاتی شہادت پیش کر دی ہے کہ دیکھ لو، ایک قوم نے اس راہ میں تمہاری مزاحمت کی کوشش کی لیکن وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ خدا نے اس کے ہاتھ باندھ دیے۔ اسی طرح اگر تم اپنے رب کے عہد و پیمان پر قائم رہے تو خدا ہر اس قوم کے مقابل میں تمہاری مدد فرمائے گا جو تمہارے مقابل میں سر اٹھائے گی۔ تم جب خدا پر ایمان لائے ہو تو تمہارے اس ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ تم اپنے رب پر بھروسہ کرو۔

اس آیت میں قوم سے اشارہ میرے نزدیک قریش کی طرف ہے۔ اوپر آیت ۲ اور آیت ۸ میں بھی اشارہ انھی کی طرف ہے۔ لفظ کی تنکیر تحقیر شان کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے اور اس سے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ متکلم کے پیش نظر ایک حقیقت کا بیان و اظہار ہے نہ کہ کسی خاص قوم کا، تاہم اشارے کی حد تک، جیسا کہ میں نے عرض کیا، اس سے مراد قریش ہی ہیں۔ اس سورہ کے مطالب سے، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس دور کی سورت ہے جب مسلمان ایک سیاسی قوت بن چکے ہیں۔ ہجرت کے چھٹے، ساتویں سال تک ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ قریش متعدد لڑائیاں کر کے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور یہود بھی اپنی درپردہ سازشوں کی ناکامیوں کے نہایت تلخ تجربات کر کے ہمت ہار چکے تھے۔

۴۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۱۲-۱۴

یہود و نصاریٰ سے جو عہد لیا گیا تھا آگے اس کا ذکر فرمایا ہے اور اس عہد کو توڑ کر وہ جن نتائج

سے دوچار ہوئے بالاجمال ان کی طرف بھی اشارہ ہے۔ مقصود اس سے مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ اب تم سے جو عہد لیا جا رہا ہے یہ بھی اسی نوعیت کا عہد ہے اور اگر تم نے بھی اس عہد کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو یہود و نصاریٰ نے کیا تو تمھارے سامنے بھی وہی نتیجہ آئے گا جو ان کے سامنے آیا — آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۲-۱۴

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمۂ آیات ۱۲-۱۴

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نقیب مامور کیے اور اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز کا اہتمام رکھو گے، زکوٰۃ دیتے رہو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہو گے تو میں تم سے تمھارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل

کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پس جو اس کے بعد بھی تم میں سے کفر کرے گا تو وہ اصل شاہراہ سے بھٹک گیا۔ پس ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے کے سبب سے ہم نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلام کو اس کے موقع و محل سے ہٹاتے ہیں اور جس چیز کے ذریعے سے ان کو یاد دہانی کی گئی تھی اس کا ایک حصّہ وہ بھلا بیٹھے اور تم برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے آگاہ ہوتے رہو گے۔ پس تھوڑے سے ان میں سے اس سے مستثنٰی ہیں۔ پس ان کو معاف کرو اور ان سے درگزر کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۱۲-۱۳

اور جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا تو جس چیز کے ذریعے سے ان کو یاد دہانی کی گئی وہ اس کا ایک حصّہ بھلا بیٹھے تو ہم نے قیامت تک کے لیے ان کے درمیان عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں عنقریب اللہ اس سے ان کو آگاہ کرے گا۔ ۱۴

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ (۱۲)

نقیب کا مفہوم

نَقِیب کے معنی ہیں کھوج لگانے والا، معاملات کی ٹوہ میں رہنے والا، لوگوں کے حالات کی جستجو کرنے والا۔ یہیں سے یہ قوم اور قبیلہ کے سردار، نگران، ذمہ دار افسر اور مانیٹر کے معنی میں استعمال ہوا۔ اس لیے کہ نگرانوں اور مانیٹروں کا اصلی کام لوگوں کے حالات کی نگرانی اور ان کی محافظت ہی ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ... ، اور اس کی حفاظت

کا عہد لینے کے بعد بنی اسرائیل کے ہر قبیلے پر ایک ایک نقیب اس مقصد سے مقرر کیا کہ وہ لوگوں کی نگرانی رکھے کہ وہ شریعت کے حدود و قیود کی پابندی کریں اور کوئی ایسی چیز ان کے اندر گھسنے نہ پائے جو ان کو اللہ کے عہد سے روگرداں کرے۔ بنی اسرائیل کے قبیلے چونکہ بارہ تھے اس وجہ سے نقیب بھی بارہ مقرر ہوئے۔ ان کا تقرر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کیا تھا اس وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔

بنی اسرائیل سے میثاق

'وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ الاٰیۃ' یہ اس عہد و میثاق کا بیان ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اس میں نماز کے اہتمام، زکوٰۃ کی ادائیگی، آئندہ آنے والے رسولوں پر ایمان اور ان کی تائید اور خدا کی راہ میں انفاق کا عہد لیا گیا ہے اور اس کے صلے میں اللہ تعالےٰ نے ان سے اپنی معیت، ان کی عام لغزشوں سے درگزر اور ان کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

'وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ' ایک جامع تعبیر ہے، خدا کی تائید و نصرت کے وعدے کی۔ ظاہر ہے کہ جن کے ساتھ خدا ہو ان کے ساتھ خدا کی پوری کائنات ہے۔

'لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ' سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح امت مسلمہ کے میثاق میں نماز اور زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اسی طرح بنی اسرائیل کے میثاق میں بھی ان کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ شریعت الٰہی میں حکمت دین کے پہلو سے ان دونوں چیزوں کا جو درجہ ابتدا سے ہے، اس پر پوری تفصیل کے ساتھ تفسیر سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہم بحث کر چکے ہیں۔

'وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ' میں یوں تو بعد میں آنے والے تمام انبیاء کی طرف اشارہ ہے لیکن اس میں خاص اشارہ نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جن کا ذکر تورات میں نہایت نمایاں علامات کے ساتھ ہوا ہے۔ بقرہ میں بعض حوالے گزر چکے ہیں۔ اعراف میں اس پر مزید بحث آئے گی۔

'وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا' میں جس انفاق کا ذکر ہے یہ زکوٰۃ کے مقررہ نصاب سے الگ ہے۔ اس سے مراد وہ انفاق ہے جو جہاد فی سبیل اللہ اور اس قسم کے کسی اور دینی و ملی و اجتماعی مقصد کے لیے کیا جائے۔ اس کو قرض سے تعبیر کرنے کی وجہ اور اس کے قرض حسن ہونے کے شرائط پر پوری تفصیل کے ساتھ ہم دوسرے مقام میں بحث کر چکے ہیں۔

'لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ' میں 'سَیِّاٰت' سے مراد لغزشیں اور کوتاہیاں ہیں، اگر دین کی بنیادی باتوں کا اہتمام کیا جائے تو بندے سے جو چھوٹی موٹی غلطیاں صادر ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیتا ہے اس مسئلہ پر بھی بحث گزر چکی ہے۔

'فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ الاٰیۃ' یہ ٹکڑا بھی معاہدے کا جزو ہے یعنی اس عہد اور اس عہد کی حفاظت کے اس اہتمام کے باوجود جس کا ذکر ہوا اگر کسی نے اس معاہدے سے انحراف اختیار کیا تو وہ خدا کی شاہراہ سے

بھٹک گیا۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ اس عہد سے انحراف کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۱۳)

یہود کی عہد شکنی کے نتائج

یہود پر لعنت، ان کی قساوت اور ان کی تحریفات پر تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کر کے اس کو جس درجے کی عزت و سرفرازی بخشتا ہے، معاہدہ توڑ دینے کی صورت میں وہ اس کو اسی درجے کی ذلت کے ساتھ دھتکار بھی دیتا ہے۔ اس دھتکارنے کے لیے جامع تعبیر لعنت ہے۔ یعنی کسی کو راندۂ درگاہ قرار دے دینا۔ راندۂ درگاہ ہونے کا پہلا اثر جو اس قوم پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر سے خدا کی خشیت، جو دل کی زندگی کی ضامن ہے، ختم ہو جاتی ہے اور دل پتھر ہو کر توبہ و انابت کی روئیدگی کے لیے بالکل بنجر ہو جاتا ہے۔ یہ حالت پیدا تو ہوتی ہے عہد شکن قوم کے اپنے عمل کے نتیجہ کے طور پر لیکن چونکہ واقع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مقررہ سنت کے مطابق اس وجہ سے اس کو منسوب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمایا ہے۔ یہ قساوت، عہد شکن قوم کے اندر جسارت پیدا کرتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ میثاق الٰہی کی خلاف ورزی ہی پر بس نہیں کرتی بلکہ وہ اس معاہدے کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کے لیے اس کے الفاظ و کلمات کی تحریف بھی کرتی ہے۔ یہ تحریف یہود نے جن جن شکلوں میں کی ہے اس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

'وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ' اور وہ بھلا بیٹھے اس چیز کا ایک حصہ جس کے ذریعے سے ان کو یاد دہانی کی گئی تھی۔ 'جس کے ذریعے سے یاد دہانی کی گئی تھی' سے مراد ہمارے نزدیک تورات ہے اس لیے کہ اسی کے اندر میثاق الٰہی کا سارا ریکارڈ محفوظ کیا گیا تھا اور وہ اسی لیے محفوظ کیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل اور ان کی آئندہ نسلوں کے لیے ایک قابلِ اعتماد یادداشت کا کام دے۔ لیکن جب وہ اس یادداشت ہی کا ایک حصہ بھلا بیٹھے تو اب ان کے پاس ایسی کیا چیز رہ گئی تھی جو ان کو یاد دہانی کرا سکتی۔ گھر کا چراغ ہی ہوتا ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اگر اسی کو بجھا دیا جائے یا چھپا دیا جائے تو اب دوسری کون سی چیز اجالا کرے گی۔

یہ فراموش کر دینا قدرتی نتیجہ ہے تحریف اور اخفا کا۔ یہود تورات کی بعض چیزیں، جیسا کہ بقرہ کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں، عام لوگوں سے چھپاتے تھے، اسی طرح تورات کی جو پیشین گوئیاں ان کے منشا کے خلاف تھیں ان میں انھوں نے لفظی تحریفیں کر کے ان کا مفہوم بدل دیا۔ تاویل کے ذریعے سے بھی انھوں نے حقائق کی قلبِ ماہیت کی۔ پھر ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ تورات حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں مرتب نہیں ہوئی بلکہ ان کی وفات کے اتنے دنوں کے بعد اس کی ترتیب عمل میں آئی جب کسی کو یہ علم بھی نہیں رہا تھا

کہ ان کی قبر کہاں ہے۔ اس کے مرتبین کا نام بھی معلوم نہیں کہ وہ کون اور کن صفات کے لوگ تھے۔ استثنا باب ۳۴ کے آخر میں ہے کہ "پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں"۔ اسی طرح یہ الفاظ بھی اس میں ہیں "اور اس وقت سے اب تک کوئی نبی موسیٰ کے مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں، نہیں پیدا ہوا" ظاہر ہے کہ جو کتاب اپنے لانے والے کی وفات کے اتنے طویل عرصے کے بعد مرتب ہوئی کہ لوگ اس کی قبر بھی بھول چکے تھے اس کی تعلیمات کو محفوظ رکھنا ان کے لیے کس طرح ممکن تھا چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تورات کی بہت سی باتیں بھول گئے۔ پھر جو باتیں مرتب بھی ہوئیں وہ بھی اصل الفاظ میں محفوظ نہیں رہیں بلکہ ان کے پاس اصل تورات کے بجائے صرف اس کے ترجمے رہ گئے اور یہ ترجمے بدلتے بدلتے اصل سے اتنے مختلف ہو گئے کہ یہ تمیز کرنا ناممکن ہو گیا کہ اس میں اصل بات کتنی ہے اور کتنی جامعین اور مترجمین کی حاشیہ آرائی ہے۔ اس طرح تورات کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے حاملین نے ضائع کر دیا۔

'وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ'، 'خَائِنَة' کے معنی خیانت کے ہیں جس طرح 'لَائِمَة' کے معنی ملامت کے۔ خیانت، بدعہدی اور عہد شکنی کے لیے عربی میں نہایت معروف ہے۔ قرآن نے یہود کی بہت سی بدعہدیوں اور ان کی تحریفات سے پردہ اٹھایا ہے جن کی تفصیل پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے اور آگے ان کی مزید مثالیں آ رہی ہیں۔ قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان کی صرف انہی تحریفات سے تعرض کیا ہے جن سے تعرض تجدید شریعت کے نقطۂ نظر سے ضروری تھا، جن سے تعرض ضروری نہیں تھا ان کو نظر انداز کر دیا ہے اور ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے، بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ آگے آیت ۱۵ میں ارشاد ہے 'یُبَیِّنُ لَکُمۡ کَثِیۡرًا مِّمَّا کُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ' (اور وہ تمہارے لیے ظاہر کر رہا ہے بہت سی وہ چیزیں تورات کی جن کو تم چھپاتے تھے اور بہت سی چیزیں نظر انداز کر رہا ہے)

'اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ' سے یہود کے اس مختصر گروہ کی طرف اشارہ ہے جو نقض عہد اور اس کے مذکورہ بالا نتائج سے محفوظ رہا ہے۔ اگرچہ یہ گروہ نہ تو اپنی قوم کو فتنوں سے بچا سکا نہ تورات کو شریروں کی دستبرد سے۔ تاہم یہ لوگ اپنے علم کے حد تک اصل شریعت پر قائم اور اس کی گواہی دیتے رہے۔ صالحین کا یہی گروہ ہے جس نے اسلام کا بھی خیر مقدم کیا۔

'فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ' میں عفو و صفح سے مراد دل سے معاف کرنا نہیں بلکہ مجرد درگزر کرنا ہے۔ عفو کے اس معنی کے لیے نظیر آیت ۱۵ کے اس ٹکڑے میں بھی ہے جو اوپر ہم نے نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابھی ان کو نظر انداز کرو اور مہلت دو۔ ان سے نمٹنے کا زمانہ آگے آئے گا۔

وَمِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَهُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِهٖ ۪ فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ؕ وَسَوۡفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ (۱۴)

یہود کے نقض عہد کے بعد اب یہ نصاریٰ کے نقض عہد کا ذکر ہو رہا ہے اور ان کے ذکر کی تمہید بھی اس

انداز سے اٹھائی ہے جس سے تشریح ہو رہا ہے کہ یہ نصاریٰ قرآن کے نزدیک نصاریٰ نہیں بلکہ صرف نصاریٰ ہونے کے مدعی ہیں۔ چنانچہ واقعہ یہی ہے کہ پال کے متبعین کو نہ صرف یہ کہ اصل نصرانیت سے کوئی علاقہ نہیں ہے بلکہ انھوں نے تو اپنا نام بھی بدل لیا۔ بقرہ میں، نصاریٰ پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔ مزید بحث اسی سورہ کی آیات ۸۲ - ۸۵ کے تحت آ رہی ہے۔

فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ، یہ نتیجہ بیان ہوا ہے کتاب الٰہی میں تحریف اور اس کے ایک حصے کو ضائع کر دینے کا۔ ملت کی شیرازہ بندی اللہ کے میثاق اور اس کی کتاب ہی سے ہوتی ہے۔ اگر اسی میں فساد و اختلال پیدا ہو جائے تو پھر ملت کو فساد و اختلال اور خون خرابے سے کیا چیز بچا سکتی ہے۔ یہ صورت حال عہد شکنی کا قدرتی نتیجہ بھی ہے اور اس جرم کی سزا بھی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ نصاریٰ کے لیے اس سے نجات کی واحد شکل یہ تھی کہ قرآن کی رہنمائی میں ان تاریکیوں سے نکل کر ہدایت کی روشنی اور امن و سلامتی کی شاہراہ پر آ جاتے لیکن ان کے تعصب نے ان کو یہ سیدھی راہ اختیار نہ کرنے دی۔ اب نہ کوئی کتاب آنی ہے اور نہ کوئی رسول، اس وجہ سے اس جنگ و جدل سے نکلنے کا اب ان کے لیے قیامت تک کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا۔

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ یہ دھمکی ہے۔ یعنی عنقریب وہ وقت آئے گا جب اللہ ان کی یہ تمام کارستانیاں ان کے سامنے رکھ دے گا اور وہ اپنی ان تمام شرارتوں کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

یہ ملحوظ رہے کہ نقض عہد کی یہ تاریخ مسلمانوں کو محض ماضی کی ایک سرگزشت کی حیثیت سے نہیں سنائی جا رہی ہے بلکہ اس لیے سنائی جا رہی ہے کہ مسلمان اس سے سبق لیں اور یاد رکھیں کہ اگر انھوں نے بھی اپنے میثاق کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو یہود و نصاریٰ نے کیا تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو یہود و نصاریٰ کا ہوا۔

۶۔ آگے کا مضمون —— آیات ۱۵ - ۱۹

یہود اور نصاریٰ کے لیے نجات کی راہ

آگے یہود اور نصاریٰ دونوں کو بانداز تنبیہ توجہ دلائی ہے کہ تم اللہ کے عہد کو توڑ کر اور اس کی کتابیں ضائع کر کے جس تاریکی اور جس مذہبی جنگ و جدل میں پھنس گئے ہو اس سے نکالنے اور سلامتی کی راہ پر لانے کے لیے اللہ نے تمھیں پھر روشنی دکھائی ہے اور ایک واضح کتاب بھیجی ہے۔ اب اس کتاب اور اس رسول کے بعد تمھارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اگر اس اتمام حجت کے بعد بھی تم اسی تاریکی میں پڑے رہے تو یاد رکھو، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی گرفت سے باہر کوئی نہیں نکل سکتا۔ آیات کی تلاوت فرمایئے:

آیات ۱۵ - ۱۹

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ

نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَّهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ
سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ
وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٦﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا
اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ
يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ
الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا
يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاۗءَنَا مِنْ
بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ع ۳

ترجمہ آیات ۱۵-۱۹

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول وہ بہت سی باتیں ظاہر کرتا ہوا آگیا ہے
جو تم کتاب کی چھپاتے رہے ہو اور وہ بہت سی باتیں نظر انداز بھی کر رہا ہے۔ اب تمہارے
پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک واضح کرنے والی کتاب آگئی۔ اس کے
ذریعے سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں سلامتی کی راہیں دکھا رہا

ہے اور اپنی توفیق بخشی سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لا رہا ہے اور ایک صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ ۱۵-۱۶

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ پوچھو، کون اللہ سے کچھ اختیار رکھتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم کو، اس کی ماں کو اور جو زمین میں ہیں ان سب کو۔ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کی بادشاہی۔ وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۷

اور یہود اور نصاریٰ نے دعویٰ کیا کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ پھر وہ تمھیں تمھارے جرموں پر سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ بلکہ تم بھی اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں سے بشر ہو۔ وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ ۱۸

اے اہل کتاب، تمھارے پاس ہمارا رسول، رسولوں کے ایک وقفے کے بعد، تمھارے لیے دین کو واضح کرتا ہوا آ گیا ہے۔ مبادا تم کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ہوشیار کرنے والا تو آیا ہی نہیں۔ دیکھ لو، ایک بشیر و نذیر تمھارے پاس آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۹

۷- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا

عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۱۵-۱۶)

لفظ 'اخفاء' تحریف کی ایک جامع تعبیر ہے

'يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ' تحریف خواہ تبدیلِ الفاظ کی نوعیت کی ہو یا تبدیلی معنی کی نوعیت کی، اس کا اصل مقصد حقیقت پر پردہ ڈالنا اور خلق کی آنکھوں میں دُھول جھونکنا ہوتا ہے اس وجہ سے قرآن نے اس کے لیے جامع لفظ 'اخفا' کا استعمال کیا ہے جس کے تحت ان کی لفظی و معنوی تحریفیں بھی آگئیں اور ان کی کتابوں کی وہ آیتیں بھی جن کو اہل کتاب کے علما اس اندیشے سے عام لوگوں سے چھپاتے تھے کہ ان کے خلاف شریعت اقدامات کی پردہ دری نہ ہو یا ان کی بنا پر آخری بعثت کے باب میں ان پر کوئی حجت نہ قائم ہو سکے۔ فرمایا کہ یہ رسول تمھاری بہت سی تحریفات بے نقاب کر رہا ہے اور ایسی بھی بہت سی ہیں جن کو نظر انداز کر رہا ہے اس لیے کہ مقصود اصل حقیقت کو ظاہر کرنا اور شریعت الٰہی کی تجدید و تکمیل ہے نہ کہ تمھاری تذلیل و تفضیح۔

'نور' اور 'کتاب مبین' سے مراد

'قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ' نور سے مراد قرآن مجید ہے اور 'کتاب مبین' کا لفظ بطور تفسیر ہے۔ قرآن مجید حکمت اور شریعت دونوں کا مجموعہ ہے۔ وہ ذہنی تاریکیوں سے بھی نکالتا ہے اور زندگی کے لیے عمل کی صحیح شاہراہ بھی متعین کرتا ہے اس وجہ سے وہ نور بھی ہے اور کتاب مبین بھی۔ اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ نے جو روشنی عطا فرمائی تھی اس کو ضائع کر کے وہ پھر تاریکیوں میں گھر گئے تھے، اصل حقیقت گم تھی اور شاہراہ ناپید۔ اس وجہ سے ان کے درمیان جنگ و جدل کی وہ آگ بھڑک اٹھی تھی جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

ہدایت کے لیے 'طلب' جزو شرط ہے

'يَهْدِي بِهِ اللَّهُ الاية' یہ اس کتاب کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ نے یہ کتاب اس لیے اتاری ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ تو یہ تم کو اس جنگ و جدل سے نجات دے کر امن و سلامتی کی راہ پر، تاریکی سے نکال کر روشنی میں، کج روی اور ضلالت کی وادیوں سے نکال کر خدا کی صراط مستقیم پر لائے گی، بشرطیکہ تمھارے اندر خدا کی خوشنودی کی طلب ہو اور تم اپنے تعصبات کی پٹیاں اپنی آنکھوں سے کھول کر اس روشنی کو دیکھو اور اس کی قدر کرو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے اندر رضائے الٰہی کی جستجو نہ ہو بلکہ وہ اپنی خواہشات کے پرستار بنے رہیں، ان کے لیے توفیق کا دروازہ نہیں کھلتا۔ 'باذنه' کے لفظ سے اسی سنت اللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی یہ سعادت خدا کے اذن سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اذن ان کے لیے ہوتا ہے جن کے اندر رضائے الٰہی کی جستجو ہو۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۷)

پال کے عقیدے کی اصل روح

اب یہ نصاریٰ کے نقضِ عہد کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ انھوں نے تمام عہد و میثاق کی جو جڑ ہے یعنی توحید، اسی پر کلہاڑا رکھ دیا اور اللہ تعالیٰ کے بجائے مسیح ابن مریم کو خدا بنا بیٹھے ۔ موجودہ مسیحیت جس کا بانی پال ہے، اصلاً تو حلول و اتحاد کے عقیدے پر مبنی ہے ۔ یعنی پال کے نزدیک مسیح کی شکل میں خدا ہی نے ظہور کیا ہے لیکن بعض اعتراضات سے بچنے کے لیے، جیسا کہ ہم نے سورۂ نساء کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے، اس کو اس نے اس چیستاں کی شکل میں پیش کیا ہے، جس کو تثلیث کہتے ہیں ۔ گویا حلول اس عقیدے کی روح ہے اور تثلیث اس کی تعبیر ۔ قرآن نے کہیں اس گمراہی کی روح کو واضح کیا ہے، کہیں اس کی معروف تعبیر ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ پال کا اصل مقصود مسیح کو خدا ثابت کرنا تھا ۔ اس کے لیے اس نے ان کی خارقِ عادت ولادت اور ان کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے سے مواد فراہم کیا لیکن انجیلوں میں چونکہ باپ اور روح القدس کا بھی ذکر تھا اس وجہ سے اسے یہ محنت کرنی پڑی کہ الوہیت کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوئی ایسی تعبیر اختیار کرے کہ ان سب کے لیے اس میں کوئی نہ کوئی جگہ نکل آئے ۔ لیکن یہ سارا گورکھ دھندا تو بس چند بال کی کھال ادھیڑنے والوں کے ذہن میں یا چند چیستاں قسم کی کتابوں کے اندر بند رہتا ہے ۔ عام ذہن تو خلاصہ پسند ہوتا ہے، وہ ان موشگافیوں میں کہاں پڑتا ہے ۔ چنانچہ عوام نے اس سارے افسانے میں سے صرف اتنی بات اپنے ذہن میں راسخ کر لی کہ مسیح خدا ہیں[1] ۔ یہی حال عربوں کا ہوا ۔ انھوں نے بھی خدا کے ساتھ دوسروں کو جو شریک کیا تو اپنے ایک مزعومہ فلسفے کے تحت کیا لیکن پھر صورتیں اور مورتیں خدا بن گئیں اور خدا یا تو بالکل غائب ہو گیا یا اس طرح پس منظر میں چھپا دیا گیا کہ اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو گیا ۔ اس پر تفصیلی بحث ان شاء اللہ مکی سورتوں میں آئے گی ۔

نصاریٰ پر اظہارِ غضب

فَمَنْ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے ارادے میں کوئی حائل و مانع نہیں ہو سکتا مثلاً 'لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (الممتحنۃ ۴) (میں آپ کے لیے خدا سے مغفرت مانگوں گا، لیکن میں آپ کے معاملے میں خدا کے کسی فیصلے میں کوئی دخل نہیں رکھتا) یہ مسیح کو خدا بنانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اظہارِ غضب ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ نادانو، یہ کس قسم کی باتیں کرتے ہو، کیا مسیح، کیا ان کی ماں اور کیا یہ ساری مخلوق، خدا سب سے بے نیاز اور مستغنی ہے ۔ سب کو وجود اسی نے بخشا ہے اور اگر وہ ان سب کو فنا کر دینا چاہے تو کون ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے ۔ آسمان زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا ہی کی ملکیت ہے ۔ کوئی نہیں ہے جو اس میں اس کا شریک ہو ۔ وہ جو چاہے، جس طرح چاہے اور جتنی مقدار میں چاہے پیدا کرتا اور پیدا کر سکتا ہے ۔ کسی کا بن باپ کے پیدا ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں ہو جاتا کہ وہ خدا بن گیا یا خدائی میں شریک ہو گیا ۔ خدا کسی

---

[1] اس مسئلے پر ہم نے اپنی کتاب حقیقتِ شرک و توحید میں بھی بحث کی ہے ۔ تفصیل کے طالب اس کو پڑھیں ۔

کو چاہے تو بن باپ کے بھی پیدا کر سکتا ہے بلکہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (۱۸)

اہل کتاب کا محبوب خدا ہونے کا زعم باطل

'نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ'، اس ٹکڑے پر تفصیل کے ساتھ پچھلی سورتوں میں بحث گزر چکی ہے۔ اہل کتاب کا یہی زعم باطل تھا جس نے ان کو عہد الٰہی کی ذمہ داریوں سے سب سے زیادہ بے پروا بنایا۔ انھوں نے گمان کیا کہ وہ خدا کے محبوبوں اور برگزیدوں کی اولاد ہیں اس وجہ سے عمل و اطاعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہیں۔ جنت ان کا پیدائشی حق ہے۔ دوزخ میں اول تو وہ ڈالے نہیں جائیں گے اور اگر ڈالے بھی گئے تو بس یونہی چند دنوں کے لیے۔ اس فتنے کے اصل بانی تو یہود ہوئے لیکن آخر نصاریٰ ان کو جنت کا واحد اجارہ دار کیوں بننے دیتے۔ چنانچہ یہاں قرآن نے اس کو دونوں ہی کے مشترک عقیدے کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

زعم باطل کی تردید خود ان کی اپنی تاریخ سے

'قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ' یہ ان کے اس زعم باطل کی تردید خود ان کی اپنی تاریخ سے کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کے محبوب اور چہیتے ہونے کے سبب سے تم خدا کے مواخذے اور عذاب سے بری ہو تو تمھاری یہ محبوبیت اور تمھارا یہ چہیتا پن اس دنیا میں تمھارے کچھ کام کیوں نہ آیا؟ یہاں تو تمھاری پوری تاریخ اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ جب جب تم نے خدا سے سرکشی کی ہے اس نے تمھیں نہایت عبرت انگیز سزائیں بھی دی ہیں۔ ایسی عبرت انگیز کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں ایسی سزاؤں کی مثال نہیں مل سکتی۔ پوری قوم کی غلامی، پوری قوم کی صحرا گردی، پوری قوم کی جلاوطنی، متعدد بار پوری قوم کا قتل عام اور بیت المقدس کی عبرت انگیز تباہی، یہ سارے واقعات خود تورات میں موجود ہیں۔ اگر ابراہیمؑ و اسحاقؑ کی اولاد ہونے کی وجہ سے تمھیں خدا کی طرف سے کوئی برأت نامہ حاصل ہے تو اس برأت نامے نے تمھیں ان عذابوں سے کیوں نہ بچایا؟

اصل حقیقت کا اظہار

'بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ' یہ اصل حقیقت کا اظہار ہے کہ 'اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ' اور 'اَحِبَّآءُ اللّٰهِ' ہونے کے خبط سے نکلو، جس طرح خدا کی ساری مخلوق ہے اسی طرح تم بھی اس کی مخلوق ہو اور جس [illegible] سب کو خدا سے نسبت ایمان و عمل صالح کے توسط سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح تمھیں بھی خدا سے کوئی نسبت حاصل ہوگی تو ایمان و عمل صالح ہی کے واسطے سے حاصل ہوگی۔

'يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ' یعنی مغفرت اور عذاب خدا ہی کے اختیار میں ہے وہ جن کو مغفرت کا مستحق پائے گا ان کی مغفرت فرمائے گا، جن کو سزا کا مستحق پائے گا ان کو سزا دے گا۔ اگر کسی نے بزرگوں سے

خاندانی نسبت یا ان کی موہوم شفاعتوں پر بھروسہ کر کے خدا کے عہد ہی کو توڑ دیا ہے تو اس کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی بھی نہیں بن سکے گا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الاٰیۃ یہ اوپر والے مضمون کی تاکید ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا ہی کی ملک ہے اور سب کو خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ نہ اس کائنات میں کسی کی حصہ داری ہے اور نہ خدا کے سوا کسی اور کے ہاں پیشی ہونی ہے کہ اس سے کوئی امید باندھی جائے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۹)

'فترۃ' کا مفہوم

'فَتْرَة' اس وقفہ کو کہتے ہیں جو ایک چیز کے ظہور کے بعد اس کے دوسرے ظہور سے پہلے واقع ہوتا ہے۔ مثلاً باری کے بخار کے دو حملوں کے درمیان جو وقفہ ہوگا اس کو 'فترہ' کہیں گے۔ آیت میں اس سے مراد وہ وقفہ ہے جو دو نبیوں کی بعثت کے درمیان ہوتا ہے۔

اہل کتاب کو تنبیہ

یہ اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ اپنی کتاب کی جن چیزوں کو تم نے چھپایا یا ضائع کر دیا ان سب کو واضح اور خدا کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہوا ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا ہے۔ اب تمہارے پاس اپنی گمراہی پر جمے رہنے کے لیے یہ عذر بھی باقی نہیں رہا کہ پہلے رسولوں کی بعثت پر ایک زمانہ گزر چکا تھا اور تم ایک نذیر و بشیر کے محتاج تھے۔ تمہارے اس عذر کو بھی ختم کرنے کے لیے ہم نے نذیر و بشیر بھیج دیا۔ اب اس اتمام حجت کے بعد بھی تم نے اپنی روش نہ بدلی تو خدا کو بے بس ہستی نہ سمجھنا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اہل کتاب کا یہ عذر کوئی قابل لحاظ عذر نہیں تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی لحاظ فرمایا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان پر آخری درجے میں حجت تمام کر دی گئی۔

۸۔ آگے کا مضمون —— آیات ۲۰-۲۶

بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی یاددہانی

اب آگے یہود کی ابتدائی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی یاددہانی فرمائی ہے جس سے ایک طرف تو یہ حقیقت روشنی میں آتی ہے کہ یہ قوم ابتدا ہی سے خدا کے عہد اور اس کے حقوق و فرائض کے معاملے میں نہایت بودی اور نکمی رہی ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خدا نے ابتدا ہی سے اس کی بدعہدیوں اور نالائقیوں پر اس کو سزا بھی ہمیشہ نہایت عبرت انگیز دی ہے لیکن اس کے باوجود اب تک یہ یہی خواب دیکھے جا رہی ہے کہ یہ خدا کی محبوب اور لاڈلی ہے اس وجہ سے آخرت کے عذاب سے محفوظ ہے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۲۰-۲۶

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ
أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾ يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي
كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿٢١﴾
قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ
يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلَانِ
مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ
الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا
إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا
مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا
قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ
بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ
أَرْبَعِينَ سَنَةً ۛ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ
الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

ع ۸

ترجمۂ آیات ۲۰-۲۶

اور یاد کرو جب کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا، اے میرے ہم قومو! اپنے اوپر اللہ
کے فضل کو یاد کرو کہ اس نے تم میں نبی اُٹھائے (اور تم کو بادشاہ بنایا، اور تم کو وہ کچھ بخشا
جو دُنیا والوں میں سے کسی کو نہیں بخشا) اے میرے ہم قومو! اس مقدس سرزمین میں
داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پیٹھ پیچھے نہ پھرو ورنہ نامرادوں میں
سے ہو کر رہ جاؤ گے۔ وہ بولے کہ اس میں تو بڑے زور آور لوگ ہیں۔ ہم اس میں نہیں

داخل ہونے کے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہوں گے۔ دو شخصوں نے، جو تھے تو انھی ڈرنے والوں ہی میں سے، پر خدا کا ان پر فضل تھا، للکارا کہ تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے پھاٹک میں گھس جاؤ۔ جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تمھی غالب رہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو، اگر تم مومن ہو۔ وہ بولے کہ اے موسیٰ، ہم اس میں ہرگز نہیں داخل ہونے کے جب تک وہ اس میں موجود ہیں تو تم اور تمھارا خداوند جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ۲۰-۲۴

موسیٰ نے دعا کی اے میرے پروردگار، میرا اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کچھ زور نہیں۔ پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان علیحدگی کر دے۔ فرمایا تو یہ سرزمین ان پر چالیس سال کے لیے حرام ٹھہری، یہ لوگ زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔ پس تو ان نافرمان لوگوں کا غم نہ کھا۔ ۲۵-۲۶

۹- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (۲۰-۲۱)

یہودی تاریخ کا ایک ورق

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۔ سورۂ نساء کی آیت ۵۴ کے تحت ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے جو مستقبل سے متعلق ہوتے ہیں، بعض اوقات ماضی کے صیغے سے تعبیر کیے جاتے ہیں — یہ وعدوں کی قطعیت کے اظہار کا ایک بلیغ اسلوب ہے جو قرآن میں بہت استعمال ہوا ہے۔ گویا یہ وعدے محض وعدے نہیں بلکہ واقعات ہیں جو واقع ہو چکے۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے اگرچہ بنی اسرائیل میں بعض انبیاء مبعوث ہو چکے تھے لیکن نبوت کا غیر منقطع سلسلہ آپ کے بعد شروع ہوا جو حضرت مسیح کی بعثت تک جاری رہا۔ بادشاہوں کے سلسلے کا تعلق تمام تر حضرت موسیٰؑ کے بعد ہی

کے دور سے ہے۔ اس سے پہلے خاندان کے بزرگوں کو ایک قسم کی سیادت اور پدرسری (PATRIARCHY) تو حاصل رہی لیکن اس کو بادشاہی نہیں کہہ سکتے۔ تورات میں بھی اس کو بادشاہی سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔

ایک سیاسی نکتہ

یہاں اسلوب کا ایک اور فرق بھی قابلِ لحاظ ہے۔ سلسلۂ نبوت کی تعبیر کے لیے تو فرمایا جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ (تم میں انبیاء بنائے) لیکن سلسلۂ بادشاہی کی تعبیر کے لیے وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا (اور تم کو بادشاہ بنایا) کی تعبیر اختیار فرمائی۔ ان دونوں اسلوبوں کے فرق سے یہ بات نکلتی ہے کہ نبوت ایک مرتبۂ اختصاص ہے جو صرف اس سے مخصوص ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس منصب پر فائز فرماتا ہے، دوسرے اس میں شریک نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس بادشاہی ایک منصب اجتماعی ہے جس میں بادشاہ کے ساتھ اس کی پوری قوم حصہ دار ہوتی ہے۔ اگر کسی بادشاہی میں قوم شریک نہ ہو تو وہ استبداد اور مطلق العنانی ہے۔

وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ سے مراد وہ منصب امامت و شہادتِ حق ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مامور فرمایا تھا اور جو امتِ مسلمہ کے ظہور میں آنے سے پہلے ان کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔

ارضِ مقدس سے مراد کنعان اور فلسطین ہے

الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ' ارضِ مقدس' سے مراد کنعان اور فلسطین کا علاقہ ہے۔ اس کو مقدس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی علاقہ ہے جہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام نے اللہ کے دین کی دعوت کا آغاز کیا۔ یہ علاقہ اگرچہ بعد میں کافروں اور بت پرستوں کے قبضے میں آ گیا تھا لیکن توحید اور خدا پرستی کی اذان چونکہ سب سے پہلے اسی علاقے میں گونجی تھی، اس وجہ سے اس کو ارضِ مقدس سے تعبیر فرمایا۔ مصر سے نکلنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسی علاقے کو بنی اسرائیل کی میراث قرار دیا اور تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر ان سے وعدہ کیا کہ میں نے یہ علاقہ تم کو دیا۔ ملاحظہ ہو گنتی باب ۱۴۔

حضرت موسیٰ کی ایک تقریر

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر کا حوالہ ہے جو انھوں نے دشتِ فاران میں اس موقع پر فرمائی جب بنی اسرائیل کو فلسطین پر حملہ کے لیے ابھارا ہے۔ تورات کی کتاب گنتی باب ۱۳-۱۴ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد تمام منازل سفر طے کرتے ہوئے، جب حضرت موسیٰ دشتِ فاران میں پہنچے اور فلسطین کا علاقہ قریب آیا تو چونکہ یہی علاقہ منزلِ مقصود تھا اس وجہ سے آپ نے ۱۲ سرداروں کی ایک پارٹی علاقے کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجی۔ یہ پارٹی اپنی مہم سے فارغ ہو کر جب واپس آئی تو اس نے علاقے کی زرخیزی و شادابی سے متعلق تو نہایت شوق انگیز رپورٹ دی لیکن ملک پر قابض باشندوں کے قد و قامت اور ان کی زور آوری سے متعلق اس نے جو بیان دیا وہ بنی اسرائیل کے لیے نہایت حوصلہ شکن ثابت ہوا۔ چنانچہ یہ بیان سنتے ہی انھوں نے واویلا شروع کر دیا اور جس ملک پر قبضہ کرنے کی امنگیں لیے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اس پر قبضہ کرنا تو درکنار پھر پلٹ جانے کی باتیں کرنے لگے

اور یہ بات انھیں یاد بھی نہیں رہی کہ خدا نے ان کو اس ملک کی میراث دینے کا قسم کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ تفتیشی مہم کے ارکان میں سے دو شخصوں نے، جن کے نام تورات میں یوشع اور کالب بتائے گئے ہیں، ان کی ہمت بندھانے کی بڑی کوشش کی اور اللہ کے وعدوں اور عزم وہمت کے ثمرات و برکات کا بہتیرا حوالہ دیا لیکن بنی اسرائیل فلسطین پر حملہ کرنے کی ہمت و حوصلہ کرنے کی بجائے ان دونوں حوصلہ مندوں کو سنگسار کر دینے کے درپے ہوگئے۔

یہی موقع ہے جب حضرت موسیٰؑ نے یہ تقریر فرمائی ہے۔ قرآن نے اگرچہ تقریر کا صرف خلاصہ دیا ہے اس لیے کہ مقصود بالاجمال واقعہ کی طرف صرف اشارہ کر دینا تھا، تاہم وہ سارے پہلو اس میں موجود ہیں جو اس موقع پر حوصلے کو بحال کرنے اور پست حوصلگی کے انجام بد سے آگاہ کرنے کے لیے ضروری تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے ان افضال و عنایات کا حوالہ دیا جو مصر سے خروج کے وقت سے لے کر اب تک برابر سایہ کی طرح بنی اسرائیل کے ساتھ رہے، ان قطعی اور حتمی وعدوں کا حوالہ دیا جو سلسلۂ نبوت کے اجرا اور بنی اسرائیل کو ایک عظیم حکمران قوم بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمائے۔ اس میراث کا حوالہ دیا جو ایک شاداب و زرخیز علاقہ کی شکل میں ان کو ملنے والی تھی اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لکھ دیا تھا۔ ان تمام وعدوں اور یقین دہانیوں کے ساتھ ان کو ارض مقدس پر حملہ کی دعوت دی اور ساتھ ہی بزدلی اور پست حوصلگی کے انجام بد سے بھی آگاہ کر دیا کہ قدم پیچھے ہٹایا تو بالکل ہی نامراد ہو کر رہ جاؤ گے۔ پیچھے مصر کی غلامی ہے اور آگے کے لیے ہمت نہ کی تو یہ صحرا گردی ہے جس میں مر کھپ کر فنا ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ (۲۲)

بنی اسرائیل کی مرعوبیت

'قَوْمًا جَبَّارِیْنَ'، 'جبار' کے معنی قدآور، زور آور، تگڑے اور طاقت ور کے ہیں۔ عربی میں جبار[1] کھجور کے ان درختوں کو بھی کہتے ہیں جو بہت اونچے ہوں۔ تورات میں ان کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔

> وہ ملک جس کا حال دریافت کرنے کو ہم اس میں سے گزرے ایک ایسا ملک ہے جو اپنے باشندوں کو کھا جاتا ہے اور وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے وہ سب قدآور ہیں اور وہاں ہم نے بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور جباروں کی نسل سے ہیں اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڈے ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے۔ گنتی ۱۳: ۳۳

---

[1] یہاں غالباً 'محلہ آوروں' کے الفاظ ہوں گے۔

یہ اس رپورٹ کے الفاظ ہیں جو تفتیشی مہم کے ارکان نے فلسطین کے باشندوں سے متعلق دی۔ اس میں بنی عناق کے لیے 'جبارہ' ہی کا لفظ استعمال ہُوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لفظ اسی زمانے سے چلا آرہا ہے جو بعینہٖ قرآن میں بھی استعمال ہُوا۔ عربی اور عبرانی دونوں قریب المخرج زبانیں ہیں۔ اس وجہ سے دونوں میں بہت سے مادے اور الفاظ مشترک ہیں۔

یہ حضرت موسیٰؑ کی اس تقریر کا جو اوپر مذکور ہوئی، بنی اسرائیل کی طرف سے جواب ہے کہ جب اس ملک پر ایسے جبار اور قدآور لوگ قابض ہیں تو ہم تو ان کی تلواروں کا لقمہ بننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ البتہ اگر قدرت کے کسی ایسے معجزے کے ذریعے سے، جیسے معجزے تم اب تک دکھاتے رہے ہو، یہ اس علاقے سے نکل جائیں تو بے شک ہم اس علاقے پر قابض ہونے کے لیے تیار ہیں۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْہِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْہُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۲۳)

یوشع اور کالب کا شاندار کردار

'رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا'، 'رَجُلٰنِ' سے مراد، جیسا کہ اوپر مذکور ہُوا، یوشع اور کالب ہیں جو اس مہم کے ارکان میں تھے جو فلسطین کے حالات کی تفتیش کے لیے بھیجی گئی تھی۔ 'اَلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ' میں عام طور پر لوگوں نے 'یَخَافُوْنَ' کے مفعول کو محذوف مانا ہے یعنی 'یَخَافُوْنَ اللّٰہَ' وہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے۔ اگرچہ میرے استاذ رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے لیکن دو وجہ سے اس تاویل پر میرا دل نہیں جمتا۔ ایک تو یہ کہ یہ موقع مفعول کے اظہار کا تھا نہ کہ اس کے حذف کا، اس لیے کہ یہاں التباس پیدا ہو سکتا ہے اور التباس کے مواقع میں اظہار مستحسن ہے نہ کہ حذف۔ دوسری یہ کہ اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اس وقت خدا سے ڈرنے والوں کی ایک جماعت موجود تھی جن کے اندر یوشع اور کالب بھی تھے۔ اگر یہ بات ہے تو انعامِ الٰہی کی تخصیص انہی دو حضرات کے لیے کیوں ہوتی، پھر تو 'اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا' کی جگہ 'اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ' ہونا تھا۔ علاوہ ازیں تورات اور قرآن دونوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس وقت بنی عناق کے خوف سے پوری قوم کا دل بیٹھ گیا تھا، صرف یہ دو اللہ کے بندے پوری قوم میں ایسے نکلے جو خوف زدہ نہیں ہوئے بلکہ اللہ کے عہد پر استوار رہے۔

اس وجہ سے قرین صواب تاویل میرے نزدیک یہ ہے کہ ہر چند یوشع اور کالب تھے تو اسی قوم میں سے جس پر خوف اور بزدلی کی موت طاری تھی لیکن اللہ کا ان پر فضل و انعام تھا کہ وہ اس وبائے عام میں مرنے پر راضی نہیں ہوئے بلکہ ایمان اور عزم پر استوار رہنے کی انھوں نے توفیق پائی۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب پوری قوم کی قوم اس طرح ہمت ہار بیٹھے جس طرح بنی اسرائیل ہار بیٹھے تو بہادر سے بہادر آدمی کے اعصاب بھی جواب دے جاتے ہیں۔ بڑا ہی باوفا اور صداقت شعار ہوتا ہے وہ مردِ حق جو ایسے نازک موقع پر بھی اپنی وفاداری اور صداقت شعاری نباہ لے جائے۔ یوشع اور کالب کے کردار کا یہی پہلو ہے

جس کے سبب سے عہد و میثاق کی اس سورہ میں قرآن نے ان کا ذکر کر کے ان کو زندہ جاوید بنا دیا تاکہ جو لوگ خدا کی راہ پر چلنے کا ارادہ کریں وہ ان کے اس مثالی کردار سے یہ سبق لیں کہ جب سب سو جائیں تو جاگنے والے کس طرح جاگتے ہیں اور جب سب مر جاتے ہیں تو زندہ رہنے والے کس طرح زندہ رہتے ہیں تو قرآن نے یہاں بزدلوں کے اندر کے بہادروں اور مُردوں کے اندر کے زندوں کو اس لیے نمایاں کیا ہے کہ بہادروں کے اندر بہادر اور زندوں کے اندر زندہ تو بہت نظر آ جائیں گے لیکن وہ زندگی بخش ہستیاں بہت کمیاب ہیں جو مُردوں کو زندگی بخشتی ہیں اگر چہ اسی راہ میں انھیں خود اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔

یوشع اور کالب کی تاریخی تقریر

"ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ" یہ ان دونوں مردانِ حق کی تقریر ہے جو انھوں نے اپنی ہمت ہاری ہوئی قوم کا حوصلہ بحال کرنے کے لیے کی۔ انھوں نے للکارا کہ شہر کے پھاٹک سے ان پر چڑھائی کرو، جب تم یہ اقدام کر گزرو گے تو تمہی غالب رہوگے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ بندے جب اپنا فرض ادا کرنے کے لیے ان کے اپنے پاس جو طاقت و قوت موجود ہے اس کو میدان میں ڈال دیتے ہیں تب وہ اپنی مدد و نصرت سے ان کو نوازتا ہے، گھروں میں بیٹھے رہنے والوں کے لیے اس کی آسمانی تائید نہیں اترا کرتی۔ تورات میں ان کی یہ تقریر ان الفاظ میں ہے۔

"اور نون کا بیٹا یشوع اور یفنہ کا بیٹا کالب، جو اس ملک کا حال دریافت کرنے والوں میں سے تھے، اپنے اپنے کپڑے پھاڑ کر بنی اسرائیل کی ساری جماعت سے کہنے لگے کہ وہ ملک جس کا حال دریافت کرنے کو ہم اس میں سے گزرے نہایت اچھا ملک ہے۔ اگر خدا ہم سے راضی رہے تو وہ ہم کو اس ملک میں پہنچائے گا اور وہی ملک جس میں دودھ اور شہد بہتا ہے ہم کو دے گا فقط اتنا ہو کہ تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ اس ملک کے لوگوں سے ڈرو، وہ تو ہماری خوراک ہیں، ان کی پناہ ان کے سر پر سے جاتی رہی ہے اور ہمارے ساتھ خداوند ہے۔ سو ان کا خوف نہ کرو۔ تب ساری جماعت بول اٹھی کہ ان کو سنگسار کرو۔ (گنتی باب ۱۴: ۶-۱۰)

"وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ" یعنی اگر خدا پر ایمان ہے تو خدا نے تو قسم کے ساتھ اس ملک کی میراث تم کو دینے کا وعدہ فرمایا ہے، پھر خدا پر بھروسہ رکھو، اس کے حکم کی تعمیل کا عزم کرو۔ جب تم اپنا فرض ادا کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوگے تو وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (۲۴)

یہ بنی اسرائیل کی طرف سے آخری جواب تھا۔ تورات میں یہ جواب ان لفظوں میں تو موجود نہیں ہے لیکن بنی اسرائیل کے گریہ و ماتم کا ذکر ہے۔

بنی اسرائیل کا واویلا

"تب ساری جماعت زور زور سے چیخنے لگی اور وہ لوگ اس رات روتے ہی رہے اور کل بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون کی شکایت کرنے لگے اور ساری جماعت ان سے کہنے لگی ہائے کاش

ہم مصر ہی میں مر جاتے! یا کاش اس بیابان ہی میں مرتے! خداوند کیوں ہم کو اس ملک میں لے جا کر تلوار سے قتل کرانا چاہتا ہے۔ گنتی ۱۴: ۱-۳

ظاہر ہے کہ جن کی بزدلی اور دہشت زدگی کا یہ عالم ہو ان کے لیے حضرت موسیٰؑ اور یوشع و کالب کی یہ یقین دہانی کہ خدا ہمارے ساتھ ہے، تم ان کا خوف نہ کرو۔ بالکل بے سود تھی۔ انھوں نے یقیناً اس یقین دہانی کے جواب میں یہی کہا ہوگا کہ اگر خداوند ساتھ ہے تو تم اور تمھارا خداوند جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (۲۵)

حضرت موسیٰؑ کی درخواست بارگاہِ الٰہی میں

بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا جواب کے بعد ان سے کسی خیر کی آخری امید بھی ختم ہو گئی اس وجہ سے حضرت موسیٰؑ نے نہایت غم اور صدمے کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعا کی کہ اے میرے رب! میرا اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر کوئی زور نہیں، اس وجہ سے اب تو ہمارے اور اس بد عہد قوم کے درمیان علیحدگی کر دے۔ 'علیحدگی کر دینے' کا منشا ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا ہے کہ اب ان کی قیادت و اصلاح کے بارِ عظیم سے ان کو سبکدوش کر دیا جائے۔ اتنی طویل جد و جہد، اور اتنے بے شمار خوارق و عجائب کے بعد بھی جن کی بے یقینی کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص بھی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہے تو اب میں ان پتھروں میں کیا جونک لگا سکوں گا۔ اب تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی فرما دے۔

حضرت ہارونؑ چونکہ خود خدا کے مقرر کردہ وزیر تھے اور انھوں نے ہر مرحلے میں اپنی وفاداری کا شایانِ شان ثبوت دیا تھا اس وجہ سے ان پر اعتماد تو ایک امرِ بدیہی تھا لیکن باقی پوری قوم، اللہ کے ان دو بندوں کے سوا جن کا ذکر اوپر ہوا، بالکل مردہ نکلی۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (۲۶)

بنی اسرائیل کو صحرا گردی کی سزا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی علیحدگی کی درخواست تو منظور نہیں فرمائی، اس لیے کہ پیغمبر قوم کے لیے بمنزلۂ روح ہوتا ہے۔ قوم سے اس کی علیحدگی، اور وہ بھی اعلانِ براءت کے ساتھ، پوری قوم کے لیے پیغامِ ہلاکت ہوتی ہے۔ لیکن بنی اسرائیل کی اس ناقدری اور بے یقینی کی سزا ان کو یہ دی کہ چالیس سال کے لیے سرزمینِ مقدس کو ان کے لیے حرام کر دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ مدت یہ اسی صحرا گردی میں گزاریں گے۔ تورات میں اس کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔

اور خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا، میں کب تک اس خبیث گروہ کی جو میری شکایت کرتی رہتی ہے برداشت کروں؟ بنی اسرائیل جو میرے برخلاف شکائتیں کرتے رہتے ہیں میں نے وہ سب شکایتیں سنی ہیں، سو تم ان سے کہہ دو، خداوند کہتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم ہے کہ جیسے تم نے میرے سنتے کہا ہے میں تم سے ضرور ویسا ہی کروں گا، تمھاری لاشیں اسی بیابان میں پڑی رہیں گی اور تمھاری ساری تعداد میں سے یعنی بیس برس سے لے کر اس سے اوپر اوپر

کی عمر کے تم سب جتنے گنے گئے اور مجھ پر شکایت کرتے رہے ان میں سے کوئی اس ملک میں جس کی بابت میں نے قسم کھائی تھی کہ تم کو وہاں بساؤں گا، جانے نہ پائے گا۔ سوائے یفنہ کے بیٹے کالب اور نون کے بیٹے یشوع کے۔ اور تمھارے بال بچے جن کی بابت تم نے یہ کہا کہ وہ تو لوٹ کا مال ٹھہریں گے ان کو میں وہاں پہنچاؤں گا اور جس ملک کو تم نے حقیر جانا وہ اس کی حقیقت پہچانیں گے اور تمھارا یہ حال ہوگا کہ تمھاری لاشیں اس بیابان میں پڑی رہیں گی اور تمھارے لڑکے بالے چالیس برس تک بیابان میں پھرتے اور تمھاری زناکاریوں کا پھل پاتے رہیں گے۔ گنتی باب[۱] ۱۴: ۲۲-۳۴۔

اجتماعیات کا ایک اہم سبق

اس صحرا گردی کے دوران میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ و حضرت ہارونؑ کی قیادت سے بھی محروم ہو گئے اور ان کی وہ پوری نسل بھی ختم ہو گئی جس نے قبطیوں کی غلامی کے زیر سایہ پرورش پائی تھی البتہ وہ نسل باقی رہی جو اس صحرا کی فضا میں پلی اور جوان ہوئی۔ اسی نے بعد میں یوشع کی قیادت میں موعودہ سرزمین کو فتح کیا۔ اس سے ہمارے بعض علمائے اجتماعیات نے یہ نتیجہ نکالا ہے اور صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ آزادی و حکمرانی کی ذمہ داریوں کے لیے خود اعتمادی اور اولوالعزمی ضروری ہے۔ مصر کی غلامی نے یہ چیز بنی اسرائیل کے اندر سے ختم کر دی تھی قدرت نے ان کو صحرا کی بھٹی میں تپا کر از سرِ نو ان کے اندر یہ جوہر پیدا کیا تب وہ اس قابل ہو سکے کہ کسی ملک کو فتح اور اس پر حکومت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ضابطے اور قاعدے بنائے ہیں اور یہ ضابطے اور قاعدے بالکل بے لاگ ہیں۔ قدرت نے اجتماعی ترقی کے لیے جو زینے ٹھہرا دیے ہیں ان کو طے کیے بغیر کوئی قوم بامِ ترقی پر نہیں پہنچ سکتی، اگرچہ وہ حضرت ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسل ہی سے کیوں نہ ہو تاریخ بنی اسرائیل کے اس واقعے نے ان کے اس زعم کی پوری پوری تردید کر دی جس کا حوالہ اوپر گزرا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے محبوب اور چہیتے سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے عمل و اطاعت کی ذمہ داریوں سے اپنے کو بری خیال کیے بیٹھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارا یہ گمان کچھ حقیقت رکھتا ہے تو موسیٰ کی موجودگی میں تو تم اور بھی زیادہ چہیتے تھے، پھر اس وقت ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے ڈگ ڈال دیے تھے تو خدا خود تمھیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے جاتا اور فلسطین کا بادشاہ بنا دیتا۔ پھر خدا کی جنت کو تم یونہی مفت میں حاصل کرنے کے خبط میں کیوں مبتلا ہو!

۱۰ آگے کا مضمون ——— آیات ۲۷-۳۱

قصۂ ہابیل و قابیل کی تعلیم

آگے آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بیان ہوا ہے۔ یہ قصہ یوں مذکور تو تورات میں بھی ہے لیکن تورات کے عام انداز کے مطابق، اس کی نوعیت بس نسلِ آدم کی ابتدائی تاریخ کے ایک قصے کی ہے۔ اس سے یہ

---

[۱] یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ زناکاری کا لفظ تورات میں خدا کے ساتھ بدعہدی اور بے وفائی کے لیے بکثرت استعمال ہوا ہے۔

واضح نہیں ہوتا کہ اس کے اندر وہ کیا حکمت و موعظت ہے جس کے لیے یہ قصہ بیان ہوا ہے۔ قرآن نے اس کو اس کی حکمت و موعظت کے ساتھ بیان فرمایا اور اس کے ان حصوں کو بھی واضح کیا جو تورات کے راویوں نے ضائع کر دیے تھے حالانکہ وہ سبق آموزی کے لیے نہایت ضروری تھے۔ یہ قصہ یہاں قرآن میں جن حقائق کو واضح کرنے کے لیے بیان ہوا ہے ان کی تفصیل تو آیات کی تفسیر کے ضمن میں آئے گی لیکن چند اصولی باتوں کی طرف ہم یہاں بھی اشارہ کیے دیتے ہیں تاکہ سلسلۂ کلام سمجھ میں آجائے۔

سب سے پہلے تو یہ حقیقت اس سے واضح ہوتی ہے کہ عہد الٰہی پر قائم رہنے کے لیے مقدم شے یہ ہے کہ آدمی کے اندر خدا کا ایسا خوف ہو جو سخت سے سخت آزمائش کے موقع پر بھی اس کے قدم راہ حق پر استوار رکھے۔

دوسری یہ کہ نقض عہد کا باعث وہ فاسد جذبات ہیں جو شیطان کی انگیخت سے پیدا ہوتے ہیں اور بالآخر وہ انسان کو ایسے جرائم پر آمادہ کر دیتے ہیں جو عہد الٰہی کے بالکل منافی ہوتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جس طرح اللہ کے نیک بندے یوشع اور کالب، عام فساد اخلاق و کردار کے باوجود اللہ کے عہد پر استوار رہے، انھوں نے اپنی جان کی پروا نہیں کی، اسی طرح اللہ کے نیک بندے — ہابیل — نے اپنے بھائی قابیل کے ظلم و تعدی کے مقابل میں اپنے آپ کو حق و عدل پر استوار رکھا اور قابیل کی دشمنی اس کو حق و عدل سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ اسی حق و عدل کی حفاظت میں انھوں نے اپنی جان قربان کر دی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اور كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ کے علمبرداروں کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ اس راہ کا سب سے پہلا شہید آدم کا بیٹا ہابیل ہے جس نے اپنے عمل سے بعد کی نسلوں کے لیے یہ زندۂ جاوید مثال قائم کی کہ حق پر مر جانا باطل پر زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

چوتھی یہ کہ خدا پر ایمان، خدا کی عبادت، عبادت کے لیے اخلاص و تقویٰ کی شرط، عدل کا تصور، قتل نفس کا جرم ہونا، جنت اور دوزخ کا عقیدہ، یہ سب چیزیں انسان کی ابتدائے آفرینش ہی سے اس کو تعلیم ہوئی ہیں۔ ان کا عہد جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور اس کی امت سے لیا ہے اسی طرح آدم اور ان کی ذریت سے بھی لیا تھا۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی پوری پوری تردید ہو رہی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائی انسان حق و عدل کے ان تصورات سے بالکل خالی تھا جو اب اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان ایک طویل فکری و اخلاقی سفر ارتقا کے بعد ان تصورات تک پہنچا ہے، پہلے وہ ان چیزوں سے بالکل محروم تھا۔ ہم اس خیال کے باطل ہونے پر دوسرے مقام میں تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں[1]۔ اس

---

[1] ملاحظہ ہوں ہماری کتاب "حقیقت شرک و توحید" کے حصہ اول کے آخری مباحث اور "اسلامی قانون کی تدوین" کا پہلا باب۔

روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

قصۂ آدمؑ آیات ۲۷-۳۱

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ ھٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ آیات ۲۷-۳۱

اور ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کی سرگزشت اس کی حکمت کے ساتھ سناؤ جب کہ ان دونوں نے قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہیں ہوئی۔ وہ بولا کہ میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ تو صرف اپنے متقی بندوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر دست درازی کرو گے تو میں تم کو قتل کرنے کے لیے تم پر دست درازی کرنے والا نہیں۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور اپنا گناہ دونوں تمہی لے کر لوٹو اور جہنم والوں میں سے بنو، یہی سزا ہے ظالموں کی۔ ۲۷-۲۹

بالآخر اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا اور وہ اس کو قتل کر

کے نامرادوں میں سے ہوگیا۔ پھر خدا نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین میں کریدتا تھا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ وہ بولا کہ ہائے میری کم بختی! کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو ڈھانک دیتا۔ سو وہ اس پر شرمسار ہوا۔ ۳۰-۳۱

۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (۲۷)

'وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ' 'عَلَيْهِمْ' میں ضمیر کا مرجع اہل کتاب بالخصوص یہود ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ واقعے میں جو موعظت و نصیحت ہے وہ عام ہے، وہ جس طرح یہود کے لیے سبق آموز ہے اسی طرح اس امت کے لیے بھی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم کے دونوں بیٹوں کا واقعہ اس امت کے لیے بطور تمثال بیان ہوا ہے تو ان میں سے اچھے کی تمثال کی پیروی کرو، تاہم اس کا براہ راست خطاب یہود ہی سے ہے کیونکہ یہود نے اس امت کے معاملے میں بالکل وہی روش اختیار کی جو قابیل نے ہابیل کے معاملے میں اختیار کی۔ جس طرح ہابیل کی عند اللہ مقبولیت سے قابیل پر حسد کا بخار جو چڑھا تو وہ حق و عدل کا خون کر کے اترا، اسی طرح یہود نے جب اس امت پر رب کی نوازش دیکھی تو وہ حسد کے جنون میں ایسے بوکھلائے کہ بدبختی و شقاوت کی آخری حد کو پہنچ گئے۔

خدا کی زمین پر عدل اور ظلم کی پہلی کشمکش

'نَبَا' کسی اہم حادثے اور واقعے کی خبر کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ واقعہ اس آسمان کے نیچے، عدل و ظلم، وفاداری و عہد شکنی، خدا خوفی اور تعدّی کی کشمکش کا سب سے پہلا واقعہ ہے اور بالکل پہلی بار خدا کی اس زمین پر حق کی راہ میں ایک حق پرست کا خونِ ناحق بہا، اس وجہ سے قرآن نے اس کو 'نبا' سے تعبیر فرمایا تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو سکے۔

'بالحق' کا مفہوم

'بِالْحَقِّ' سے مقصود، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، ٹھیک ٹھیک اور حکمت و موعظت کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے سنانا ہے۔ واقعات اگر محض داستان سرائی کے لیے بیان کیے جائیں تو یہ ایک کارِ عبث ہے۔ ان کے بیان کا نفع صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب وہ اس حکمت و موعظت

کے ساتھ بیان کیے جائیں جو ان کے اندر مضمر ہے اور ٹھیک ٹھیک بیان کیے جائیں۔ تورات میں یہ مصیبت ہے کہ نہ تو واقعات ٹھیک ٹھیک بیان ہوئے ہیں اور نہ ان سے وہ حکمت و نصیحت ہی واضح ہوتی ہے جو واضح ہونی چاہیے۔ یہی حال ہماری بیشتر تاریخ کی کتابوں کا ہے جس کے سبب سے تاریخ کا فن ایک بالکل بیکار فن بن کے رہ گیا ہے۔ ہم مذکورہ واقعہ یہاں تورات سے نقل کرتے ہیں۔ اس کو پڑھیے اور پھر قرآن کے بیان سے مقابلہ کر کے دیکھیے تو اس سے خود اندازہ ہو جائے گا کہ بِالْحَقِّ بیان کرنے کا مقصد کیا ہے۔ تورات میں یہ واقعہ یوں بیان ہوا ہے۔

ہابیل و قابیل کا قصہ تورات میں

> اور آدم اپنی بیوی حوا کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور اس کے قائن پیدا ہوا۔ تب اس نے کہا مجھے خداوند سے ایک مرد ملا۔ پھر قائن کا بھائی ہابل پیدا ہوا۔ اور ہابل بھیڑ بکریوں کا چرواہا اور قائن کسان تھا۔ چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے پھل کا ہدیہ خداوند کے واسطے لایا اور ہابل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابل اور اس کے ہدیے کو منظور کیا۔ پر قائن کو اور اس کے ہدیے کو منظور نہ کیا۔ اس لیے قائن نہایت غضب ناک ہوا اور اس کا منہ بگڑا اور خداوند نے قائن سے کہا تو کیوں غضب ناک ہوا؟ اور تیرا منہ کیوں بگڑا ہوا ہے؟ اگر تو بھلا کرے تو کیا تو مقبول نہ ہوگا؟ اور اگر تو بھلا نہ کرے تو گناہ دروازے پر دبکا بیٹھا ہے اور تیرا مشتاق ہے پر تو اس پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل کو کچھ کہا اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو یوں ہوا کہ قائن نے اپنے بھائی ہابل پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ تب خداوند نے قائن سے کہا کہ تیرا بھائی ہابل کہاں ہے؟ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں، کیا میں اپنے بھائی کا محافظ ہوں؟ پھر اس نے کہا تو نے یہ کیا کیا؟ تیرے بھائی کا خون زمین سے مجھ کو پکارتا ہے۔ اور اب تو زمین کی طرف سے لعنتی ہوا جس نے اپنا منہ پسارا کہ تیرے ہاتھ سے تیرے بھائی کا خون لے۔ جب تو زمین کو جوتے گا تو اب وہ تجھے اپنی پیداوار نہ دے گی اور زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ ہوگا۔ (کتاب پیدائش باب ۴ : ۱-۱۲)

قرآن اور تورات کے بیان میں واضح فرق

یہ بیان قرآن کے بیان سے یوں تو کئی پہلوؤں سے مختلف ہے، اگر ہمیں اپنے دائرۂ بحث سے ہٹ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ان کی طرف اشارہ کرتے لیکن ایک چیز تو ایسی واضح ہے کہ بالکل پہلی ہی نظر میں سامنے آتی ہے۔ تورات میں ہابیل کے کردار کے وہ سارے پہلو غائب ہیں جو اس سرگزشت کی جان اور تمام عالم انسانی کے لیے نمونہ اور مثال ہیں۔ قرآن نے چونکہ اس سرگزشت کو بِالْحَقِّ پیش کیا ہے اس وجہ سے ان پہلوؤں کو اس نے اچھی طرح نمایاں کیا ہے اور ہر انصاف پسند اعتراف کرے گا کہ ان کے نمایاں ہونے سے ہابیل کی سرگزشت نے قَآئِمِیْنَ بِالْقِسْطِ کے سلسلۃ الذہب کی بالکل پہلی کڑی کی حیثیت

حاصل کرلی۔ قابیل کا کردار بھی تورات میں بالکل ادھورا پیش کیا گیا ہے۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے اس کے کردار کے بعض ایسے گوشے بے نقاب کیے ہیں جو شریعت الٰہی کے بعض احکام کی حکمت و مصلحت سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس نظر سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ وہی باتیں جو تورات کے ذخیرے میں بالکل خزف ریزوں کی شکل میں ہیں، قرآن میں آکر جواہرات کی طرح چمک اٹھی ہیں۔

قابیل کی قربانی کی عدم قبولیت

'إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ' "قربان" کا لفظ صدقہ اور قربانی دونوں کے لیے آتا ہے۔ جو چیز بھی اللہ کے حضور بقصد قرب الٰہی پیش کی جائے وہ قربان ہے۔ یہاں قرآن نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ ہابیل اور قابیل کی قبولیت اور عدم قبولیت کا پتہ کس طرح چلا اس لیے کہ یہ وضاحت قرآن کے پیش نظر مقصد کے لحاظ سے غیر ضروری تھی لیکن تورات کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خبر خداوند نے دی تھی۔ خداوند کی بات سننے اور جاننے کا ایک ذریعہ ہاتف غیب بھی ہے۔ تورات میں اس کا ذکر بہت سے مقامات میں آیا ہے۔

قابیل پر حسد کا دورہ

'قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ' قابیل کو یہ جان کر کہ اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی بجائے اس کے کہ اپنی نیت کے کھوٹ کی طرف توجہ ہوتی، غصہ ہابیل پر آیا کہ اس کی قربانی کیوں قبول ہوئی۔ حالانکہ اس کی قربانی قبول نہ ہونے میں ہابیل کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ اس میں سارا قصور خود اس کا اپنا تھا لیکن جب آدمی پر حسد کا دورہ پڑتا ہے تو اس کو اپنی نالائقیاں نظر نہیں آتیں بلکہ وہ اپنی تمام ناکامیوں کے اسباب دوسروں کے اندر ڈھونڈتا ہے اور اس غصے میں ان کے درپے انتقام و آزار ہو جاتا ہے۔ افراد میں اس بدبختانہ کردار کی سب سے پہلی مثال قابیل نے پیش کی ہے اور اقوام میں یہود نے، اسی وجہ سے، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہ سرگزشت یہود کو سنائی گئی ہے کہ اس آئینے میں وہ ذرا اپنے منہ دیکھ لیں کہ آج بھی ہابیل و قابیل کا وہی قصہ دہرایا جا رہا ہے جو بہت پہلے پیش آچکا ہے اور جس کی روایت بھی دنیا کو یہود ہی کے واسطے سے پہنچی ہے۔

ہابیل کی زبان سے فلسفۂ قربانی کا بیان

'إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ' یہ ہابیل کی زبان سے وہی حکمت بیان ہوئی ہے جو قرآن میں 'لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ' (۳۷-حج) کے الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔ یہ بات ہابیل نے قابیل کو اصل حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے لیے کہی۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس غصے میں کہ تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی میرے قتل کے درپے ہو گئے ہو حالانکہ اس میں نہ قصور میرا ہے، نہ خداوند کا ہے بلکہ سارا قصور تمہارا اور تمہاری قربانی کا ہے۔ خداوند کے ہاں قربانی درخورِ قبول وہ ٹھہرتی ہے جو خدا سے ڈرنے والے بندے قربانی کے آداب و شرائط کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ ضابطہ جس طرح تمہارے لیے ہے اسی طرح میرے لیے بھی ہے تو قربانی رد ہونے کا غم و غصہ ہے تو فکر تقویٰ کی کرو، نہ کہ میرے قتل کرنے کی۔ میرے قتل کرنے سے تمہاری قربانی کی قبولیت کی راہ کس طرح کھلے گی۔